عائشہ رض

اور

علی رض

پیام شاہجہانپوری

Scanned

عائشہؓ اور خلافتِ علیؓ

[redacted]

مصنفہ

پیام شاہجہانپوری

ناشرین

ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور



بارِ اوّل ۲۰۰۰

جنوری ~~نومبر~~ ۱۹۶۵ء

قیمت ۳ روپے

طابع :- ملک سراج الدین،

مطبع :- علمی پرنٹنگ پریس لاہور

مقامِ اشاعت

ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور (۸)

اِبتدائیہ

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جو خوں ریز جنگ ہوئی وہ ہر مسلمان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اسلام کی یہ دو عظیم ہستیاں ایک دوسرے کے خلاف کیسے برسرِپیکار ہو گئیں ؟ جب کہ یہ دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت یافتہ، آپ کی مقرب اور اپنے زہد و تقویٰ اور بے نفسی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں ممتاز مقام کی حامل تھیں۔ تاریخ کے ہر طالب علم کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف اُمّ المومنین تھیں اور دوسری طرف امیر المومنین۔ آخر حق کس کے ساتھ تھا ؟

اِس کتاب میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے اور اس خوبی کے ساتھ دیا گیا ہے کہ اصل حقائق بھی منظرِ عام پر آ گئے ہیں اور اکابرِ اسلام

میں سے کسی کا دامن تقویٰ داغدار بھی نہیں ہونے پایا ہے۔ اس جنگ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مصنف نے ان داستانوں کو بھی موضوع بحث بنایا ہے جو حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان بغض و عناد کے بارے میں مشہور کی گئی ہیں اور ناقابلِ شکست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب فرضی قصے ہیں اور من گھڑت کہانیاں ہیں جن میں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ رونما ہوا اس کے اسباب اور اس فتنے کی حقیقت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس طرح اس کتاب کا موضوع بہت وسیع ہو گیا ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسناد اور حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے اور وہ ماخذ پیش نظر رکھے گئے ہیں جن کے مستند ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں تاریخ اسلام کے بعض گوشوں کی پہلی بار نقاب کشائی کی گئی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر اس کتاب کو تعصب سے بالاتر ہو کر پڑھا گیا تو مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان جو عناد پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔

(ناشرین)

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو سارا عرب آپؐ کا حلقہ بگوش ہو چکا تھا اور مسلمان بادشاہِ روم سے نبرد آزمائی کرنے کے لئے اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد قوم کے نمائندے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضورؐ کے رفیق اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ کا جانشین منتخب کر لیا۔ قوم نے اپنے نمائندوں کے اس انتخاب کی توثیق کر دی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

تاریخ عالم شہادت دیتی ہے کہ جب کسی قوم کا رہنما یا کسی مملکت کا موسس انتقال کر جاتا ہے تو ایک طوفانِ عظیم برپا ہوتا ہے۔ ہر رہنما اور ہر موسس اپنی ایک شخصیت رکھتا ہے اور اس کی شخصیت کی مقناطیسی

کشش قوم کو اس کے ہاتھ پر مجتمع رکھتی ہے۔ جب وہ رہنما یا موسس دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی مقناطیسی کشش بھی ختم ہو جاتی ہے اس طرح قوم اس کے اثر سے آزاد ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں سلیم الطبع اور کج رو دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اپنے موسس اور رہنما کے انتقال پر سلیم الطبع لوگ تو اس کے نصب العین کی حفاظت کرنے اور اس کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے حسب سابق کوشاں رہتے اور اس کے جانشین سے پورا تعاون کرتے ہیں مگر کج رو اور فتنہ پسند عناصر اپنے رہنما کے دنیا سے اٹھتے ہی افتراق و انتشار کا راستہ اختیار کرتے اور اپنے مخصوص مقاصد اور ذاتی اغراض کے حصول میں کوشاں ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اب پہلا جیسا کوئی مضبوط ہاتھ نہیں ہے جو پوری طرح گرفت قائم رکھ سکے۔ اگر نیا جانشین کمزور، نااہل یا مفاد پرست ہو تو یہ فتنہ پسند اور کج رو عنصر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اگر نیا جانشین مضبوط ارادے کا مالک اخلاص کا پیکر اور صاحبِ تدبر و فراست ہو تو یہ شرپسند اور مفاد پرست عنصر صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے یا اپنی کج روی سے باز آ کر سلامت روی اختیار کر لیتا ہے۔

تاریخِ عالم کے اس قانون سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہ رہ سکے اور

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی گئی تو مسلمانوں کا وہ طبقہ جس نے رَو میں آکر اسلام قبول کر لیا تھا اور جس کی اکثریت حضورؐ کی صحبت میں بیٹھنا تو کجا آپؐ کی زیارت سے بھی مشرف نہ ہوئی تھی شرپسندانہ حرکات پر اتر آئی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس نہ صحابہ تشریف لے گئے تھے کہ جن سے یہ علمِ دین پڑھتے اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوتے اور نہ یہ خود صحابہ کے پاس آئے تھے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے سے ان میں مذہبی اور ملی شعور پیدا ہوتا۔

جن لوگوں نے عرب کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس جزیرہ نما میں قبائلی طرز کی حکومت تھی اور عصبیت ان لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خاکدانِ عالم میں تشریف فرما رہے ان کی نسلی اور قبائلی عصبیت دبی رہی مگر جب آپ اس عالم خاکی سے عالم ارواح کو تشریف لے گئے تو اس نسلی اور قبائلی عصبیت نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ جس وقت عرب قبائل کے بعض سرداروں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف بغاوت کی تو ان قبائل کے عام افراد بھی صرف اس لئے اس بغاوت میں شامل ہو گئے کہ ان کے قبائل کا دوسرے قبائل سے مقابلہ درپیش تھا۔

اس بغاوت میں بعض ایسے سردارانِ قبائل بھی شامل تھے جو اپنی کج فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اقتدار نبوت کے ذریعہ سے حاصل کیا۔ جب تک آپؐ نے نبوت کا دعویٰ نہ فرمایا تھا کوئی آپ کو جانتا بھی نہ تھا۔ نبوت کا دعویٰ کرنا تھا کہ آپ کی شہرت مکہ سے نکل کر نہ صرف عرب بلکہ اکنافِ عالم میں پھیلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؐ سارے عرب کے فرماں روا بن گئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنی شہرت اور اقتدار کے لئے یہی نسخہ آزمانا چاہا اور عرب میں متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے۔ چونکہ یہ اپنے اپنے قبائل کے سردار تھے اور عربوں کے دل و دماغ سے قبائلی طرزِ حکومت پوری طرح محو نہ ہوا تھا۔ اس لئے ان قبائل کے عوام نے اسی اثر اور کچھ قبائلی عصبیت کی بنا پر اپنے سرداروں کا ساتھ دیا۔ یہ وہ سردار تھے جنہیں مفاد پرست عنصر کہنا چاہیئے۔

یہ بھی اسلامی تعلیمات سے پوری طرح واقف نہ ہونے کا نتیجہ تھا کہ بعض قبائل نے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ یہ نادان اس حقیقت کو سمجھ ہی نہ سکے کہ زکوٰۃ تو دراصل وہ نظامِ معیشت ہے جو دولت کو چند ہاتھوں میں محدود ہونے سے روکتا اور روپیہ کو گردش میں لاتا رہتا ہے اور روپے کی اسی گردش (CIRCULATION OF MONEY) پر ایک اعلےٰ درجے کے اقتصادی نظام کا دارومدار ہے۔ یہ ناسمجھ یہی

سمجھتے رہے کہ اس طرح ان کی دولت مدینہ میں جمع ہوتی اور اہل مدینہ کی ضروریات پر خرچ ہوتی رہے گی۔ حالانکہ اس سے خود ان قبائل کے غربا کو بھی بڑا فائدہ پہنچتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روح پر فتوح کو سکون ابدی عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنی فراست سے اس بغاوت کے پس منظر، اس کے اسباب و عوامل اور خطرناک نتائج کو بھانپ لیا اور پورے ثباتِ قدم، عزم و استقلال، حسنِ تدبیر اور عدیم النظیر شجاعت سے ان تمام فتنوں کو دبا دیا۔ چھ ماہ کے قلیل عرصے میں سارا عرب آپ کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا اور وہ عرب قبائل جو مرکز سے بغاوت پر اتر آئے تھے۔ اسی مرکز کے تابع ہو کر اور اسی خلیفۃ المسلمین کی زیر ہدایات اپنے نیزے اور تلواریں سنبھالتے شام، فلسطین اور عراق کی فتوحات کے لئے روانہ ہو گئے اور دو سال کے قلیل عرصے میں اسلامی حکومت کا دائرہ عرب سے نکل کر عراق و شام تک پھیل گیا۔

منتشر عربوں کو اتفاق و اتحاد کے شیرازے میں منسلک کر کے اور سلطنت اسلامی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے محبوبِ خدا کا یہ محبوب کمزوروں کے مقابلے میں انتہائی کمزور اور زبردستوں کے مقابلے میں شیر کی سی قوت رکھنے والا یہ خلیفۃ المسلمین امت کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا

اور اس دنیائے آب وگل کو چھوڑنے سے پہلے ایک ایسے شخص کو مسلمانوں کے معاملات کی باگ ڈور دے گیا جس کے حسنِ انتظام، جس کی شجاعت، جس کی خداترسی، جس کی فراست، جس کی غربا پروری اور جس کی سیاست نے سارے زمانے سے اپنا لوہا منوا لیا۔ وہ جب تک زندہ رہا احکامِ الٰہی کے نفاذ اور مسلمانوں کو اوجِ ثریا تک پہنچانے میں کوشاں رہا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبولیتِ دعا کا عظیم الشان نشان تھے۔ مسلمانوں کے لئے نعمتِ عظمٰی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیش رو کی طرح خود بھی سادہ زندگی بسر کی اور مسلمانوں کو بھی سادہ زندگی گذارنے کی تلقین کرتے رہے۔ اپنے گورنروں اور دیگر حکام سے بازپرس کرنے کے معاملے میں وہ بڑے سخت گیر اور حق دار کو اس کا حق دلانے کے معاملے میں بڑے مستعد تھے۔ یہ محروم الحق خواہ کالا کلوٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو اور حق چھیننے والا کسی صوبے کے گورنر کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مساوات کا یہ سب سے بڑا علم بردار، غریبوں اور محتاجوں کا سرپرست، اسلام کا بے خوف سپاہی اس قدر صاحبِ جبروت تھا کہ جب اس نے حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا تو ایک روز انہوں نے ایک مجلس میں بیٹھ کر کہا کہ میرے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ اس پر ایک شخص حضرت خالدؓ کو مخاطب کرتے

ہوئے بولا کہ خالدؓ! ایسی بات نہ کہو اس سے فتنہ پیدا ہونے کا امکان ہے اس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ تم یہ کیا کہتے ہو جب تک عمرؓ زندہ ہے کسی کی مجال نہیں ہے کہ فتنہ برپا کر سکے۔ حضرت خالدؓ کے ان الفاظ میں مبالغہ یا حسنِ عقیدت کا شائبہ تک نہ تھا۔ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ جب تک عمرؓ زندہ رہا فتنہ کو ابھرنے کا کسی طرف سے موقع نہ مل سکا۔ حضرت عمرؓ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ بڑے بڑے جابر سردار ان کے خوف سے کانپتے رہتے تھے اور ان کا ذریعۂ اطلاعات اتنا عمدہ تھا کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے وہ دور دراز ملکوں ایران اور مصر کے چپہ چپہ کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ پھر جب تک اللہ تعالےٰ نے چاہا حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے معاملات کے سیاہ و سپید کا مالک بنائے رکھا اور ہر طرف ان کی قوت و شوکت کا سکہ رواں رہا مگر جب اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ رہی تو ایک معمولی غلام نے ان کا رشتۂ حیات منقطع کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد قوم نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے ہاتھ میں اپنے معاملات کی باگ ڈور دے دی۔ حضرت عثمانؓ کے مزاج میں اپنے پیش رو جیسی سختی نہ تھی۔ ان کی طبیعت میں رحم اور عفو و درگذر کا مادہ زیادہ تھا مگر الٰہی احکام کے بارے میں وہ حضرت عمرؓ سے کسی

طرح کم نہ تھے۔ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو کبھی نظر انداز نہ ہونے
دیتے تھے۔ ان کی سلطنت میں کوئی ظالم کسی کمزور پر ظلم کرکے یا خلافِ
شریعت کوئی حرکت کرکے مواخذہ سے بچ نہ سکتا تھا۔ اُن کے عہدِ خلافت
میں ایران کی فتوحات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں اور اس ساسانی خاندان
کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا جو تین سو انتیس (۳۲۹) سال سے اس خطۂ ارض پر
حکمراں تھا۔ قبرص بھی حضرت عثمانؓ ہی کے عہد میں فتح ہوا۔ آرمینیا کی
فتوحات بھی آپ ہی کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ طرابلس، طبرستان
اور افریقہ میں زبردست فتوحات بھی عہد عثمانؓ کے کارنامے ہیں۔ غرض
حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلامی سلطنت میں بڑی توسیع ہوئی۔

ہمارا خیال ہے کہ جب تک حضرت عثمانؓ نے اپنی فوجوں کو مصروفِ
پیکار رکھا اس وقت تک اندرونِ ملک کسی قسم کا انتشار پیدا نہیں ہوا مگر
جوں ہی انہوں نے فوجوں کو واپس آنے کی ہدایات جاری کیں حالات کا
رُخ بدل گیا۔ وہ لوگ جو اب تک ممالک غیر میں اپنی شجاعت اور تسخیر
کے جوہر دکھا رہے تھے اب ان کا ایک حصہ اپنے وطن میں آکر خلیفہ اور
گورنروں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے والوں کا ساتھ دینے لگا۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ پیدا ہوا اس میں روم و ایران کی شان و
شوکت اور وہاں کی پُر تکلف زندگی کو بھی بڑا دخل تھا۔ فاتح فوجیں جب

عرب واپس آئیں تو یہاں انہیں وہی سادگی اور بے تکلفی کی زندگی ملی جو
جو وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ لیکن ایران اور روم میں سالہا سال تک رہنے
کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں وہاں کی دولت اور کھوکھلی تہذیب کی
چمک دمک سے چکاچوند پیدا ہو چکی تھی۔ وہ بھی چاہتی تھیں کہ اسی طرح
کی عیاشانہ اور تن آسانی کی زندگی گذاریں۔ لیکن یہاں انہیں یہ مراعات
حاصل نہ تھیں۔ یہاں کا ماحول خالص اسلامی اور عربی سادگی کا نمونہ تھا۔
حضرت عثمانؓ سے ان لوگوں کو جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں۔ تاریخ
اسلام کا یہ بزرگ خلیفہ مسلمانوں کو اسی راہ پر چلانا چاہتا تھا جو اس کے آقاؐ
مولا اور اس کے دونوں پیش رو (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) نے ان
کے لئے تجویز کیا تھا مگر ان لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنہیں نہ تو
شرفِ صحابیت حاصل تھا اور نہ ان کی تعلیم و تربیت اس ماحول میں ہوئی
تھی جس میں صحابہ پروان چڑھے تھے۔ ان کی ایمانی حالت کمزور تھی۔ ان
میں مفاد پرست لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ زندگی اور اس کی رنگا رنگی سے
پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ ماحول کے اس تضاد نے
صورتِ حال کو خراب کر دیا اور جب حضرت عثمانؓ کے خلاف چند فتنہ پسند
لوگوں نے شورش برپا کی تو دولت اور عیش و عشرت کے پرستار
عنصر نے ان کا ساتھ دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خلیفۃ المسلمین عفو و درگذر

سے کام لیا ہے تو ان کے حوصلے اور بڑھ گئے اور ان میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی کہ مدینہ پہنچکر انہوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا اور اُن سے مطالبہ کیا کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر جب انہیں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو چند افراد نے قصرِ خلافت میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو نہایت سفاکی سے شہید کر دیا۔ یہ پہلا فتنہ تھا جو اسلام میں پیدا ہوا اور جس نے دنیائے اسلام کو ہلا ڈالا۔ اس حسرت و درماندگی اور بے اطمینانی کی فضا میں حضرت علیؓ کی بیعت کی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بقول حضرت علیؓ کی بیعت بھی اسی طرح کی گئی جس طرح آپ کے پیش رو خلفاء کی کی گئی تھی۔ یعنی آپ کی خلافت اہل مدینہ کے اکابر و امراء کے مشورہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچی لیکن حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے اور عالم اسلام میں ایسا انتشار و افتراق رونما ہو گیا تھا کہ حضرت علیؓ کو مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جب دلوں میں مایوسی اور بے اطمینانی پیدا ہو جائے تو حسنِ ظن اور اعتماد بھی اٹھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد بعض لوگوں نے آپ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور آپ کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دینے والوں میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جنہوں نے آپ کی بیعت تو کر لی تھی مگر اُن کا

عذر یہ تھا کہ ہماری تلواریں آپ کی مدافعت میں غیر مسلموں کے خلاف ہر وقت بے نیام ہو سکتی ہیں لیکن آپ ہمیں مسلمانوں کی خوں ریزی میں شرکت کرنے سے معاف رکھیں۔ یہ حضرات جن کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہ تھی اپنے گھروں میں بیٹھ رہے لیکن جب حضرت علیؓ کی خلافت مستحکم ہو گئی تو ان میں سے اکثر لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی بیعت سے دست کش رہنے والوں کا دوسرا گروہ وہ تھا جس کے قائد امیر معاویہؓ گورنر شام تھے اور یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت علیؓ سے ان کا اختلاف اصولی نہ تھا بلکہ ذاتی تھا۔ وہ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے۔ بعد کے واقعات نے ہمارے اس خیال کی تصدیق کر دی اور وہ اپنی اس خواہش کو جامۂ عمل پہنا کر رہے۔ اس کے لئے انہیں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانا پڑا اور ایسی خوفناک جنگ لڑنی پڑی جس نے سینکڑوں خاندانوں کے چراغ بجھا دیئے۔ میرے خیال میں جتنا نقصان حضرت عثمانؓ کے خلاف برپا ہونے والے فتنے سے پہنچا اس سے کہیں زیادہ مصیبت امیر معاویہؓ کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو برداشت کرنی پڑی اور قوم آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔

حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہونے والوں کا تیسرا گروہ وہ تھا

جس کی قیادت ام المومنین حضرت عائشہؓ کر رہی تھیں اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ ان کے رفقائے کار تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا اسلام کی تاریخ میں جو مقام ہے اور حضرت علیؓ سے اختلاف کے دوران میں ان حضرات نے جو روش اختیار کی اس کے پیش نظر ہمارے پاس یہ باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ ان لوگوں سے حضرت علیؓ کا اختلاف اصولی تھا ذاتی نہ تھا اور یہ حضرات اپنے ارادوں میں مخلص تھے۔ ان کی نیت افتراق و انتشار کی نہ تھی بلکہ اصلاح کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ معاملات کی نوعیت کو سمجھ نہ سکے۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان پیش آنے والے واقعات اس کتاب کا موضوع ہیں۔ چونکہ یہ سارا فتنہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں رونما ہوا اس لئے ان کے عہد کے واقعات کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے اس پورے پس منظر سے آگاہ ہو جائیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بھی مورخوں نے بڑی غلط بیانیاں کی ہیں اور غلط روایات شامل کر کے واقعات کو مسخ کر دیا ہے۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ

اس واقعہ کو صحیح روایات کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ میں نے شروع سے آخر تک اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اس کتاب کو فرقہ وارانہ نقطۂ نگاہ سے بلند ہو کر لکھوں اور صرف تاریخ کو پیش نظر رکھوں۔ خدا کرے میں نے یہ کتاب جس جذبہ سے لکھی ہے اسی جذبہ سے پڑھی جائے اور اکابرِ اسلام کے درمیان اختلافات کی جو داستانیں مشہور ہیں اس کتاب کے مطالعے کے بعد وہ ذہنوں سے محو ہو جائیں کہ اس کتاب کے لکھنے سے میرا اصل مدعا یہی ہے۔ تاریخ کے گہرے مطالعے کے بعد میں اسی نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ مسلمانوں میں مذہب کے نام پر آج جو گروہ بندی ہے اور جس کے خونین مظاہر ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں وہ صحابہ کے درمیان اختلافات کی انہیں جھوٹی داستانوں کا نتیجہ ہیں۔ جس دن مسلمانوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ وہ قدسی نفس جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنفس نفیس تربیت فرمائی تھی۔ غرض کے بندے اور ہوا و ہوس کے پتلے نہ تھے اس دن یہ ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ آہ وہ لوگ جن کا کھانا پینا، سونا جاگنا، جنگ اور امن سب رضائے الٰہی کے لئے ہوتا تھا۔ وہ جیتے تھے تو اسلام کیلئے اور مرتے تھے تو اسلام کیلئے جو ایک دوسرے کے ہمدم و ہمراز اور مخلص دوست تھے۔ افسوس کہ

سیاسی مقاصد رکھنے والے لوگوں نے صفحۂ قرطاس پر انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا اور پھر نتیجہ کے طور پر ہم بھی ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ کاش ہم اب بھی سمجھ جائیں۔

پیام شاہجہانپوری

لاہور ۱۶ راگست ۱۹۶۳ء

فہرست مضامین

۳۔ خلافتِ علیؓ

از صفحہ ۷۵ تا صفحہ ۸۷

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ

۴۔ اختلافاتِ عائشہؓ و عثمانؓ

از صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۱۱۱

۵۔ اختلافاتِ علیؓ و عائشہؓ

از صفحہ ۱۱۵ تا صفحہ ۱۳۱

۹ - صلح کی کوشش

از صفحہ ۱۸۷ تا صفحہ ۱۹۷

۱۰- ہولناک جنگ

از صفحہ ۱۹۹ تا صفحہ ۲۲۸

خلافتِ عثمانؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافتِ عثمانؓ

۲۵ رذی الحجہ ۲۳ھ کی شام دنیائے اسلام کے لئے قیامت کی شام
تھی۔ مگر بظاہر کسی قیامت کے آثار نہ تھے۔ اہل مدینہ عشاء کی نماز
سے فارغ ہو کر بہ اطمینان اپنے گھروں کو چلے گئے اور آرام سے
سو گئے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ جب وہ صبح کو
بیدار ہوگا تو اسے ایک ایسے المناک حادثے سے دوچار ہونا پڑے گا
جس کے آثار رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔ ۲۶ ذی الحجہ کی اداس
صبح طلوع ہوئی اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن الخطاب
حسب معمول اپنا دُرّہ لئے مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ نمازی جو
امیر المومنین کے انتظار میں بیٹھے تھے کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کی آواز

بلند ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہہ کر امامت شروع کر دی۔ ابھی چند ہی سیکنڈ ہوئے تھے کہ اگلی صف میں سے ایک شخص بڑی تیزی سے حضرت عمرؓ کی طرف لپکا اور ایک دو دھاری خنجر نکال کر جو اس نے اپنے کمبل میں چھپا رکھا تھا امیر المومنین پر پے در پے چھ وار کئے۔ حضرت عمرؓ ان حملوں کی تاب نہ لا کر فرشِ مسجد پر گر پڑے۔ لوگوں نے دوڑ کر قاتل کو پکڑ لیا۔ قاتل کا نام فیروز تھا اور یہ مشہور صحابی حضرت مغیرہؓ[1] بن شعبہ کا آتش پرست غلام تھا۔ لوگوں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر فوراً کاشانۂ خلافت میں لیجائیں تاکہ ان کے زخموں کا علاج ہو سکے مگر آپؓ نے منع کیا اور دریافت فرمایا کہ کیا عبد الرحمٰنؓ بن عوف ہیں؟ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف پچھلی صفوں میں سے ایک صف سے نکل کر آئے اور عرض کیا کہ عبد الرحمٰن حاضر ہے۔ آپؓ نے انہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے نماز پڑھائی اور حضرت عمرؓ اس شدید کرب کی حالت میں بھی جماعت کے ساتھ رکوع و سجود میں مصروف رہے۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگ آپ کو اٹھا کر کاشانۂ خلافت میں لے گئے۔ فوراً طبیب آیا اس نے دوا پلائی مگر وہ دوا زخموں کے

[1] مستدرک حاکم۔ جلد سوم ص۹۱

راستے سے باہر نکل گئی۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اب میرا جانبر ہونا مشکل ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ساری توجہ مسئلہ خلافت کی طرف مبذول کر دی۔ آخر بڑے غور و خوض کے بعد آپ نے ہدایت فرمائی کہ میرے خیال میں علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبد الرحمٰن بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کے علاوہ اور کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے۔ انہیں چھ افراد میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے اور اس انتخاب کا فیصلہ[1] تین دن میں کر لیا جائے۔ پھر آپ نے ان حضرات کو بلایا اور ان سے کہا کہ خلافت کا معاملہ میں آپ لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ صلاح و مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ میں اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھی اس مشورے میں شامل ہونے کی ہدایت کرتا ہوں مگر وہ صرف مشورہ دے گا۔ اسے خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنے جانشین کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"جو شخص میرے بعد خلیفہ ہو میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے تقویٰ سے کام لے۔ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے میں پہل کی انکے

[1] طبقات ابن سعد باب عثمانؓ

حقوق کو نظر انداز نہ کرے۔ جو عرب مقبوضہ شہروں میں آباد ہو جائیں ان سے حسن سلوک سے پیش آئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شدت اختیار کرے۔ اپنے انصاری بھائیوں کے حقوق تلف نہ ہونے دے، ان لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نصرت کی اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ یہ لوگ تمہارے محسن ہیں اس لئے ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیئے اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو درگذر سے کام لینا چاہیئے۔ میں اپنے جانشین کو اس امر کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اعراب کا بھی خیال رکھے کہ یہی لوگ عربوں کی اصل طاقت ہیں ان کے متمول لوگوں سے زکوٰۃ حاصل کر کے ان کے غربا کو دی جائے۔ ذمیوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے۔ ان کے متعلق اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے خلیفہ پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسے پوری طرح ادا کیا جائے۔ ان کے ساتھ جو عہد کیا جائے اس کی پوری طرح پابندی کی جائے

ان پر اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جسے وہ بآسانی اٹھا سکیں انہیں ان کے دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رکھا جائے۔"

حضرت عمرؓ کی شہادت

۲۶ ذوی الحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ انتقال سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ مجھے حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت عائشہؓ نے بلا پس و پیش اجازت دے دی[1] اور یہ بھی فرمایا کہ گو یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی مگر آج میں عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت عمرؓ کا جنازہ ان کے مکان میں رکھا ہوا تھا۔ لوگ آتے اور آپ کا روئے مبارک دیکھ کر زار و قطار روتے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی غم و الم کی تصویر بنے ہوئے تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کے جنازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

[1] مستدرک حاکم ص ۹۱

"مجھے دنیا میں وہ شخص سب سے زیادہ عزیز تھا جو اس وقت چادر میں لپٹا پڑا ہے"[1]

آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کی جھڑیوں میں حضرت عمرؓ کا جنازہ اٹھا اور سوگواروں کے جم غفیر نے رسول اللہؐ کے اس رفیق ثانی کو اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا۔ اس طرح دنیا اس جلیل القدر اور بشر دل انسان سے خالی ہو گئی جو اسلام کا ستون تھا اور جس کی ہیبت و جلالت سے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ لرزہ براندام رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پہلی مصیبت تھی جو اسلام کو پیش آئی اور یہ پہلا زلزلہ تھا جس نے قصرِ اسلام میں شگاف ڈال دیا۔

مشورہ

حضرت عمرؓ زخمی ہونے کے بعد تین روز زندہ رہے۔ اس دوران میں لوگوں کی زیادہ توجہ حضرت عمرؓ ہی کی طرف رہی اور ان کی صحت اور بقائے حیات کے لئے دعائیں ہوتی رہیں۔ لیکن جب حضرت عمرؓ انتقال فرما گئے تو معزز و محترم صحابہ کی اس کمیٹی نے جسے حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے مقرر کیا تھا۔ اپنی ساری

[1] طبقات ابن سعد

توجہ اسی مسئلے کی طرف مبذول کر دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص میں سے ہر شخص اپنے زہد و تقویٰ، خدمتِ اسلام اور اپنی بالغ نظری کے لحاظ سے خلافت کا پوری طرح اہل تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو اس کارِ عظیم کی انجام دہی کے لئے مقرر کرتے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے رسول اللہؐ آخر وقت تک خوش رہے۔ ان میں سے حضرت علیؓ کے متعلق تو آپ نے یہاں تک فرما دیا تھا کہ اگر تم لوگ علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لو گے تو وہ نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں اور قوم کو راہ راست پر چلانے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں" لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ انتخاب خلیفہ کے سلسلے میں جو واقعات پیش آئے ان کا اجمالاً ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اراکینِ شوریٰ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کے مکان میں جمع ہوئے۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مجلس شوریٰ میں ہر شخص نے کمال درجے کی بے نفسی کا مظاہرہ کیا اور سب نے مل کر حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کو

یہ حق دے دیا کہ وہ جسے خلیفہ مقرر کردیں گے ہمیں اس سے اتفاق ہوگا۔ اس کے بعد مجلس برخواست ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے علیحدہ علیحدہ ان حضرات سے ملاقاتیں کیں اور ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں علیؓ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے ملاقات کی۔ انہوں نے بھی یہی رائے دی کہ علیؓ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے تنہائی میں ملاقات کی اور ان سے کہا کہ آپ کو رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل ہے۔ اپنے زہد و تقویٰ، علم و فضل اور دین کے لئے قربانیاں کرنے کی وجہ سے آپ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں لیکن اگر کسی وجہ سے آپ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جا سکا تو آپ کے خیال میں آپ کے بعد اس کا سب سے زیادہ اہل کون ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "عثمانؓ"۔

بیعت عثمانؓ

اس کے بعد حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ نے اپنی دو بیٹیاں

یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں دیں۔ آپ کو اسلام قبول کرنے والوں اور دین کے لئے قربانیاں کرنے والوں میں شرف سبقت اور فضیلت بھی حاصل ہے۔ اس لئے آپ خلافت کے اہل ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے آپ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جا سکا تو پھر آپ کے خیال میں اس منصب کے لئے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا "علیؓ"

ان حضرات سے مشورہ کرنے کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی رائے معلوم کی۔ مدینہ کے اکابر اور فوجی افسروں سے بھی مشورہ لیا۔ اس کے بعد آپ نے سارے شہر میں منادی کرادی کہ لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنا کے بعد دیر تک دعا کی۔ پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ اس اجتماع میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی اور بعض مورخین کی صراحت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ نے بیعت کی اور ان کے بیعت کرتے ہی لوگ دیوانہ وار حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔[1]

[1] طبقات ابن سعد جزو دوم ص ۳۲۴

خلافتِ عثمان رضؓ

حضرت عثمانؓ نہایت رحم دل، بڑے بردبار، بہت فیاض اور اور بہت عبادت گزار انسان تھے۔ ان کے اسلام پر بڑے احسانات ہیں۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہونا موت اور ذلت کو دعوت دینا تھا۔ وہ جس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ اسلام سخت کس مپرسی کی حالت میں تھا اور کوئی شخص یہ پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان ہونے والوں کو مستقبل قریب یا بعید میں کسی قسم کا مالی یا عزت وجاہ کا فائدہ پہنچنے کا امکان ہے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا قبولِ اسلام کسی ذاتی فائدہ کے لئے نہ تھا بلکہ اسلام کی صداقت آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنی جان اور مال دونوں کو اسلام کے لئے وقف کر دیا وہ مکہ کے امیر ترین شخص تھے۔ انہوں نے اپنی دولت سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچایا اور جب کبھی زبانِ رسالتؐ سے مالی امداد کی اپیل کی گئی حضرت عثمانؓ نے فوراً اس پر لبیک کہی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں

دولت کے انبار لگا دیئے۔ پھر جب مکہ میں مسلمانوں کا رہنا دوبھر ہو گیا اور حضورؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی تو حضرت عثمانؓ اپنے لاکھوں روپے کے کاروبار پر لات مار کر حبشہ چلے گئے۔ دوسری بار پھر آپ نے حبشہ کو ہجرت فرمائی۔[1] ایک جنگ کے سوائے وہ ہر جنگ میں حضورؐ کے ہمرکاب رہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں۔ وہ اپنی نجی زندگی اور عادات و اطوار کے لحاظ سے نہایت خلیق، متواضع، حیادار، غرباء کے ہمدرد اور نہایت عالی ظرف انسان تھے۔ آپ کی انہیں صفات کی وجہ سے مسلمان آپ سے محبت کرتے تھے لیکن افسوس کہ بعض مورخین نے آپ کی جو تصویر کھینچی ہے ہمارے خیال میں وہ آپ کی سیرت سے بہت مختلف ہے۔ اسی طرح آپ کے عہد کے واقعات اور آپ کے طرزِ حکمرانی پر بھی تنقید کی بجائے تنقیص سے کام لیا گیا ہے۔ ان سطور میں اتنی گنجائش تو نہیں ہے کہ ہم مورخین کے اعتراضات پر گفتگو کر سکیں۔ ان امور پر ہم انشاءاللہ اپنی کتاب "حیاتِ عثمانؓ" میں تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ البتہ چونکہ یہ باب آئندہ درج ہونے والے واقعات

۱؎ مستدرک حاکم جلد سوم ص ۱۰۳

کی تمہید کے طور پر قلم بند کیا جا رہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی سیاست اور آپ کے طرزِ جہانبانی کے متعلق اجمالاً کچھ عرض کر دیا جائے۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی امورِ سلطنت کو نہایت عمدگی اور فراست سے انجام دیا۔ ان کے عہد میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا۔ قبرص، آرمینیہ، ایران، روم، طبرستان اور افریقہ میں زبردست فتوحات ہوئیں اور ہزاروں میل کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا۔ جن علاقوں کے لوگ باغی ہو گئے تھے حضرت عثمانؓ نے نہایت آزمودہ کار اور قابل جرنیلوں کو بھیج کر ان علاقوں کو دوبارہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ یہ حضرت عثمانؓ ہی کے عہد کی برکت ہے کہ مسلمانوں کے قدم افغانستان اور بلوچستان کی سرحدوں تک پہنچ گئے[1]۔ پھر انہوں نے صرف فتوحات ہی پر قناعت نہ کی بلکہ مفتوحہ علاقوں کے انتظامات کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ حضرت عثمانؓ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور دوسرے حکام کی صحیح نگرانی نہیں کرتے تھے اور انہیں ضرورت سے زیادہ ڈھیل دے رکھی تھی۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تاریخ

[1] الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۸۴ - ۷۵ - ۷۴

گواہ ہے کہ جب کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے متعلق حضرت عثمانؓ کے پاس شکایت کی گئی کہ یہ شراب پیتا ہے اور بعض لوگوں نے اس کے خلاف گواہی بھی دی تو حضرت عثمانؓ نے بلا توقف اس کو سزا دی۔ یہ سزا صرف گورنری سے معزولی تک محدود نہ رہی بلکہ ایک عام مجرم کی حیثیت سے اسے مجمعِ عام میں کھڑا کیا گیا اور اس کے کوڑے لگائے گئے[1]۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اپنے گورنروں، فوج کے افسروں اور شہروں کے حاکموں کے نام جو احکام جاری کئے وہ آج بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملکی امور پر کتنی گہری اور کڑی نظر رکھتے تھے اور اپنے عمال کو خدا سے ڈرنے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی بڑی سختی سے ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں رحم دلی زیادہ تھی۔ ان کی طبیعت میں نرمی کا مادہ تھا، خصوصاً اپنی ذات کے معاملے میں وہ کسی پر سختی کرنا یا انتقام لینا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ بڑے کریم النفس خلیفہ تھے اور اپنے عہد کے مسلمانوں کے لئے خدا کی رحمت تھے مگر افسوس کہ شرپسند لوگوں نے ان کی قدر نہ کی اور ان کی نرمی اور عفو و درگذر

[1] فتح الباری جلد ہفتم ص ۵۴

سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملتِ اسلامیہ میں زبردست خلفشار برپا کر دیا۔

حضرت عثمان رضؓ کے خلاف سازش

یورپ کا ایک مشہور مورخ لکھتا ہے کہ "حضرتِ عثمان رضؓ بارہ سال خلیفہ رہے۔ ان میں سے ابتدائی چھ سال نہایت امن و امان سے گزرے۔ لیکن آخری چھ سال اضطراب اور بدامنی کی نذر ہو گئے"۔ [1]

ایک صاحبِ عقل و فہم، سر ولیم میور کے اس بیان سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر حضرت عثمان رضؓ کے طرزِ سیاست میں کوئی خامی ہوتی یا وہ امورِ سلطنت سرانجام دینے کے اہل نہ ہوتے تو چھ سال تک اس قابلیت سے کیسے حکومت کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتنے کے اسباب کچھ اور تھے۔ دراصل یہ ایک منظم سازش تھی جو بعض محروم الاقتدار افراد، کچھ سزا یافتہ مجرموں [2] اور ایک مسلمان نما یہودی نے پایۂ تکمیل تک پہنچائی تھی۔ اس میں ایک ایسا شخص بھی شامل تھا جو حضرت عثمان رضؓ کا پروردہ تھا اور چاہتا تھا کہ اسے کسی صوبے کا گورنر بنا دیا جائے مگر حضرت عثمان رضؓ نے اس کے اخلاق و عادات

[1] خلافت از سر ولیم میور صفحہ ۱۹۹ [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۴۶ مطبوعہ لیڈن۔

میں بعض قابلِ اعتراض باتیں دیکھ کر اس کی خواہش پوری نہ کی۔ اس شخص کا نام محمد بن ابی حذیفہ تھا۔ حضرت عثمان رضؓ سے قرابتِ قریبہ ہونے کی وجہ سے اسے عوام میں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا تھا چنانچہ اس نے اس رسوخ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس سازش کا ایک بڑا رکن محمد بن ابوبکر رضؓ بھی تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضؓ کا بیٹا اور ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا بھائی تھا۔ اس لئے اس کے دماغ میں نخوت سما گئی تھی اور اپنی شخصیت کے متعلق سخت قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کا تکبر اور رعونت دیکھ کر حضرت عثمان رضؓ نے ایک بار اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا تھا اس لئے یہ حضرت عثمان رضؓ کا دشمن ہو گیا تھا اور خیال کرنے لگا تھا کہ اب مجھے خلیفۂ وقت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ محمد بن ابی حذیفہ سے اس کے بڑے گہرے مراسم تھے اس لئے کچھ اس کے ورغلانے سے بھی اس نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی میں سرگرم حصہ لیا۔

فتنہ کا آغاز

فتنہ کا آغاز

حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا آغاز کوفہ سے ہوا۔ کوفہ کے والی ولید بن عقبہ کے خلاف جب دربارِ خلافت میں شکایت پہنچی کہ یہ شراب پیتا ہے تو حضرت عثمانؓ نے اسے گورنری سے برطرف کر کے سعید بن عاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ سعید نے کوفہ پہنچ کر جو تقریر کی اس کا وہ حصہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ فتنہ ابھرتا ہوا نظر آ رہا ہے میں اسے نہایت شدت سے کچل دوں گا اور اس کام میں تمہیں میری اعانت کرنی پڑے گی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سعید کے کوفہ پہنچنے سے قبل ہی وہاں کے حالات خراب ہو گئے تھے اور سعید نے وہاں کے حالات

سے فتنہ کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس سے ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ کوفہ کے گورنر ولید پر شراب نوشی کا الزام محض افترا تھا اور اس سازش کا حصہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف کی جا رہی تھی مگر چونکہ ان کے خلاف گواہ موجود تھے جنہوں نے حلفیہ بیان کیا تھا کہ ہم نے سعید کو شراب پیتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے شرعی حد جاری کر دی۔

کوفہ کا چارج سنبھالنے کے بعد سعید بن عاص نے حضرت عثمانؓ کو ایک رپورٹ بھیجی جس میں لکھا کہ یہاں کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں جاہل اور سرکش لوگوں نے تسلط قائم کر رکھا ہے اور شریف لوگوں کے لئے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو بچانا محال ہو گیا ہے۔

اس رپورٹ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قصور نہ کوفہ کے گورنر کا تھا نہ حضرت عثمانؓ کا بلکہ مفسد اور دین سے ناواقف ایک سازش کے تحت حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کو بدنام کرنے کے لئے ہنگامہ آرائی کر رہے تھے۔ اس رپورٹ کو پڑھ کر حضرت عثمانؓ نے سعید کو حکم دیا کہ شرپسندوں کے سرغنہ افراد کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے پاس شام بھیجدو اور باقی لوگوں پر کڑی

نظر رکھو۔ چنانچہ سعید نے ان فسادیوں کے سرغنہ افراد کو گرفتار کر کے فوج کے ایک دستہ کی نگرانی میں امیر معاویہؓ کے پاس بھیجدیا۔ امیر معاویہؓ نے انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر یہ لوگ کسی طرح سیدھے نہ ہوئے۔ شاید اس خیال سے کہ ان کے شام میں رہنے سے کہیں یہاں کے لوگ بھی ان کے مذموم خیالات سے متاثر نہ ہو جائیں۔ امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو شام میں رکھنا مناسب نہ سمجھا اور حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ میں ان کی اصلاح کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لئے آپ ان کے متعلق کوئی واضح حکم صادر فرمائیے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں لکھا کہ تم ان لوگوں کو عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کے پاس حمص بھیجدو۔ عبدالرحمٰن بڑا سخت گیر شخص تھا اور بڑے بڑے سرکش اس کے نام سے کانپتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ حمص پہنچے تو اس نے انہیں بلا کر اس قدر سختی سے ڈانٹا کہ ان کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے ان کی ایسی سخت نگرانی کی اور اس طرح شکنجے میں جکڑ کر رکھا کہ یہ لوگ بالکل سیدھے ہو گئے۔ اپنی حرکات سے توبہ کی اور عبدالرحمٰن سے کہا کہ ہمیں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی مانگنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن کی اجازت سے یہ لوگ یا ایک روایت

کے متعلق ان کا سب سے بڑا سرغنہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے معافی مانگی۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں معاف کر دیا اور یہ لوگ پھر کوفہ چلے گئے۔

بنیادی غلطی

حضرت عثمانؓ نے سعید کو کوفہ کا گورنر مقرر کرتے وقت ہدایت فرمائی تھی کہ نیک دل اور با اثر لوگوں کو اپنی مجلس میں ممتاز جگہ دینا۔ اس کے ساتھ ہی جن لوگوں نے ایران اور روم کی جنگوں میں حصہ لے کر کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے انہیں حضرت عثمانؓ نے کوفہ بھیج دیا تھا تاکہ ان کی موجودگی سے مفسد خائف رہیں مگر افسوس کہ سعید بن عاص نے اس نکتہ کو نہ سمجھا اور ان لوگوں کو ایران اور آذربائیجان کے علاقوں کا انتظام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ ان جری دل اور با اثر لوگوں سے خالی ہو گیا جن کی موجودگی کی وجہ سے فتنہ پسند افراد سر اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔ اسی دوران میں حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کو ایک ضروری مشورے کی غرض سے مدینہ طلب کیا۔ اس کے جاتے ہی فتنہ پرداز لوگوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع مل گیا۔ ان کے سرغنہ معافی مانگ کر پہلے ہی کوفہ

پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکردگی میں ان لوگوں نے پھر ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور حضرت عثمانؓ کو لکھا کوفہ کا گورنر سعید نااہل شخص ہے۔ ہمیں اس کی امارت پسند نہیں ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ کوفہ پر ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر مقرر کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے صرف اس خیال سے کہ کسی صوبے پر ایسے شخص کو گورنر مقرر نہیں کرنا چاہیئے جسے اس صوبے کے لوگ پسند نہ کرتے ہوں سعید کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اگر کوفہ کے لوگ دیانتدار ہوتے اور انہیں اپنے گورنر سے کوئی اصولی اختلاف ہوتا تو ان کی پسند کے گورنر کے تقرر کے بعد ہنگامہ ختم ہو جانا چاہیئے تھا مگر جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں یہ فتنہ ختم نہیں ہوا اور کوفہ سے کم و بیش ایک ہزار مفسدوں کا گروہ مدینہ پہنچ کر خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد حضرت عثمانؓ کی خلافت کو ناکام بنانے کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔

بالکل یہی صورت بصرہ اور مصر کی بھی تھی۔ بصرہ کے لوگ بھی اپنے گورنر ابو موسیٰؓ اشعری کے خلاف ہو گئے تھے اور دربارِ خلافت میں ان کی جھوٹی شکائتیں بھیجتے تھے۔ آخر تنگ آ کر حضرت عثمانؓ نے

ابوموسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے اپنے بہت بڑے جرنیل اور فاتح عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کیا مگر یہ لوگ اس سے بھی خوش نہ رہے اور اسی کی گورنری کے زمانے میں بصرہ سے بھی کم و بیش ایک ہزار فتنہ پردازوں کا گروہ مدینہ پہنچ گیا تاکہ اس سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف کی گئی تھی۔ اسی قسم کی شکایات مصر سے بھی آئیں اور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ بھی اپنے گورنر سے خوش نہیں ہیں اور اسے ہٹا کر کسی اور شخص کو والی مقرر کرانا چاہتے ہیں۔ یہاں حضرت عثمانؓ کے دو شدید مخالف محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہؓ موجود تھے اور یہ دونوں مصری عوام اور مصری افواج کے سپاہیوں اور افسروں سے مل کر حضرت عثمانؓ اور مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے تھے۔ اس سازش کا سب سے بڑا رکن بلکہ سازش کا بانی ایک مسلمان نما یہودی پہلے سے مصر میں موجود تھا چنانچہ ان تینوں نے مل کر مصریوں میں حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنر کے خلاف خوب آگ لگائی۔

تحقیقاتی کمیشن کا قیام

جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے اور مختلف صوبوں کے گورنروں کے خلاف حضرت عثمانؓ کے پاس شکایات پہنچنے لگیں تو آپ نے چار ممتاز صحابہ پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا اس کمیشن میں حضرت محمد بن مسلمہؓ حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر شامل تھے۔ ان حضرات نے علی الترتیب کوفہ، بصرہ، شام اور مصر جا کر حالات کی تحقیق کی اور واپس آکر دربار خلافت میں رپورٹ پیش کی کہ ان صوبوں کے گورنروں کے خلاف جو شکایات پیش کی گئی ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ نہ ان علاقوں کے گورنر کسی پر ظلم کر رہے ہیں اور نہ کسی کی حق تلفی۔ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔ مفسدوں کے سارے الزامات بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے صرف حضرت عمارؓ بن یاسر ایک ایسے بزرگ ہیں جو مصر ہی میں ٹھہر گئے اور وہاں کے حالات کے متعلق انہوں نے کوئی رپورٹ بھی نہیں بھیجی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر مصر کے فتنہ پرداز لوگوں کے کہنے میں آگئے

؎ تاریخ طبری ص۲۹۴۳ مطبوعہ لیڈن

مگر اس کے باوجود انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل یا اس فتنے میں کوئی حصہ نہ لیا۔

اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ یا آپ کے گورنروں کے خلاف کچھ مفسدوں کے سوائے کسی کو کوئی شکایت نہ تھی ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ظالم اور انصاف دشمن ہوتے اور ایسے بزرگ صحابہ اپنی رپورٹ میں انہیں فرض شناس اور انصاف پسند قرار دیتے۔ اس سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سارا ہنگامہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق برپا کیا جا رہا تھا۔

مفسدوں کی مدینہ کو روانگی

جب اس فتنہ پرداز گروہ نے دیکھ لیا کہ خلیفہ ان مطالبات کے سامنے جھک گیا ہے اور یہ لوگ جس گورنر کو چاہتے ہیں معزول کرا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں منصبِ امارت پر مقرر کرا لیتے ہیں تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور اب ان میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی کہ وہ مدینہ منورہ جا کر خلیفۂ وقت سے بالمشافہ گفتگو کر سکیں چنانچہ کوفہ، بصرہ اور مصر کے مفسدوں میں خط و کتابت ہوئی اور

ایک طے شدہ تاریخ پر تینوں جگہوں کے وفود مدینہ پہنچ گئے۔ جب حضرت عثمانؓ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے انہیں اپنے حضور میں طلب کیا اور مدینہ کے معززین اور کبار صحابہ کو بھی بلایا اور ان سب کی موجودگی میں مفسدوں سے پوچھا کہ ان کی آمد کی غرض و غایت کیا ہے۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت عثمانؓ کے گورنروں پر اعتراض کئے۔ جب حضرت عثمانؓ نے ان کے اعتراضات کے کافی و شافی جوابات دیدیئے تو پھر انہوں نے خلیفۂ وقت کی ذات پر الزام تراشی شروع کر دی مثلاً آپ بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کو عطیات دیتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی سرح کو مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ دیدیا۔ نوجوانوں کو صوبوں کا گورنر بناتے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں کو خاص مراعات دیتے ہیں حکم کو مدینہ بلا لیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ سرکاری چراگاہ سے عوام کو روک دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کے اعتراضات کو بڑے تحمل اور بردباری سے سنا اور پھر ایک ایک الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے رشتہ داروں کو جو کچھ دیا اپنی جیب سے دیا بیت المال سے کسی کو ایک درہم نہیں دیا۔ میں تو وہ شخص ہوں جو

بیت المال سے خود کچھ نہیں لیتا ہوں۔ میں نے تو ابتدائے اسلام سے مال کو قطعاً وقعت نہ دی اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے روپے کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اب کہ مرنے کو بیٹھا ہوں بیت المال پر ناجائز تصرف کیسے کر سکتا ہوں۔ [1] صحابہ اور خود مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کے اس بیان کی تائید کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے مصر کے گورنر عبدالرحمٰن بن ابی سرح کو مالِ غنیمت میں سے کچھ دیا تو میرا یہ اقدام ناجائز نہ تھا۔ میرے پیش رو (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) بھی بعض افراد کو ان کے کارناموں سے خوش ہو کر عطیات سے نوازا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جب میں نے دیکھا کہ فوج کے کچھ افسروں اور سپاہیوں کو میرے اس اقدام سے ملال ہوا تو میں نے عبداللہ بن ابی سرح سے یہ رقم لے کر فوجیوں میں تقسیم کر دی۔ جہاں تک نوجوانوں کو عہدے دینے کا سوال ہے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے میرے آقا و مولا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک نوجوان اسامہؓ بن زیدؓ کو فوج کا سردارِ اعلیٰ بنایا تو اس وقت حضورؐ

[1] تاریخ طبری ص ۱۹۵۳

پر بھی یہی اعتراض کیا گیا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اعتراض کی کچھ پرواہ نہ کی تھی پس میں نے بھی اگر کسی نوجوان کو کوئی عہدہ دیا تو اس کی اہلیت، فرض شناسی اور نیکوکاری کو مدنظر رکھ کر دیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ایک ایک اعتراض کا نہایت تسلی بخش اور مدلل جواب دیا اور ان مفسدوں نے خود اعتراف کیا کہ اب انہیں خلیفہ یا اس کے گورنروں سے کوئی شکایت باقی نہیں رہی ہے۔ بظاہر مطمئن ہو کر یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ لیکن درحقیقت یہ بھی ان کی ایک چال تھی اور اس کا مقصد اپنے صوبوں کے عوام کو یہ بتانا تھا کہ ہم اپنی شکایات لے کر خلیفہ کے پاس گئے تھے مگر انہوں نے ان شکایات کا ازالہ نہیں کیا بلکہ ہمیں بے نیل و مرام واپس بھیج دیا اور ابھی تک اسی طرح مسندِ خلافت پر متمکن ہیں۔

چند سیاسی لغزشیں

مورخین کہتے ہیں کہ جب یہ مفسد مدینہ پہنچے اور صحابہ کو ان کے عزائم کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے

حضرت عثمانؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ اگر امام کی موجودگی میں کوئی شخص یا چند اشخاص کسی دوسرے امام کی اطاعت کی دعوت دیں یا فتنہ و فساد پر آمادہ ہو جائیں تو تم انہیں قتل کر دو۔ اس لئے آپ ان سب کی گردنیں مار دیجئے مگر حضرت عثمانؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ لوگ شرعی حدود کو نہیں توڑیں گے میں ان کا خون نہیں بہاؤں گا۔ بلاشبہ یہ حضرت عثمانؓ کی نیکی، رحم دلی اور خدا ترسی تھی مگر حقیقت یہی ہے اگر حضرت عثمانؓ ان صحابہ کا مشورہ قبول کر کے انہیں قتل کرا دیتے تو اس فتنہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسی طرح جس وقت کوفہ کے گورنر سعید بن عاص نے حضرت عثمانؓ سے وہاں کے بعض مفسدوں کی شکایت کی تھی۔ اگر اس شکایت پر حضرت عثمانؓ ان مفسدوں کو عبرتناک سزا دے دیتے تو شاید یہ فتنہ اسی وقت ختم ہو جاتا۔ سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ جب یہ مفسد امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے تو اتنی طاقت رکھتے ہوئے وہ ان کی اصلاح سے کیسے عاجز آ گئے؟ اگر امیر معاویہؓ چاہتے تو دُرّے مار مار کر ان کی چمڑی اڑا دیتے اور چار دن میں سب سیدھے ہو جاتے مگر معلوم نہیں کیوں انہوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ انہیں یہاں سے کہیں اور

بھجوا دیجئے۔ ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ جب ان مفسدوں نے جزیرہ کے گورنر عبدالرحمن بن خالدؓ بن ولید کی سختی سے گھبرا کر حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر معافی مانگی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں اجازت دے دی کہ جہاں چاہو رہو حالانکہ ان کی فتنہ آرائی کے مدنظر ان لوگوں کی بڑی سخت نگرانی کی ضرورت تھی۔ حضرت عثمانؓ سے معافی مانگ کر یہ لوگ کوفہ پہنچ گئے اور پھر اپنی مفسدانہ حرکات شروع کر دیں۔ ہمارے خیال میں اس فتنے میں سب سے پہلے حصہ لینے والے اور اسے پھیلانے والے یہی لوگ تھے اگر انہیں مجمع عام میں کھڑا کر کے قتل کر دیا جاتا تو اس سارے فتنے کا قلع قمع ہو جاتا۔ لوگوں پر خلافت کا رعب قائم ہو جاتا اور پھر آئندہ کوئی شخص سر اٹھانے کی جرأت نہ کرتا۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ جب یمن کا ایک یہودی جس نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مصر، کوفہ اور بصرہ ہوتا ہوا دمشق پہنچا اور وہاں جا کر حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے لگا تو امیر معاویہؓ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور فرمایا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تم فوراً شام سے نکل جاؤ۔ امیر معاویہؓ بڑے فریس آدمی تھے۔ فراست کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس شخص کو اس طرح آزاد چھوڑنے کے بجائے اگر قتل نہ کیا جاتا تو کم از کم قید تنہائی کی سزا دی جاتی

تاکہ یہ شخص دوسرے شہروں میں جا کر فتنہ پیدا نہ کرتا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور اپنی حدودِ امارت سے نکال دیا۔ اس طرح اس کے لئے موقع فراہم ہو گیا کہ جہاں چاہے جائے اور اپنے خطرناک در اسلام دشمن عزائم کو جامۂ عمل پہنائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آگے چل کر اسی شخص کی ریشہ دوانیوں سے ملت میں وہ انتشار پیدا ہوا کہ خلیفۂ وقت کو انتہائی سفاکی سے شہید کر دیا گیا اور عالمِ اسلام میں وہ فتنۂ عظیم برپا ہوا کہ مسلمان فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

مدینہ پر یورش

کوفہ، بصرہ اور مصر کے شورش پسند لوگوں نے اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر پھر بڑے زور شور سے خلیفہ اور اس کے گورنروں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ تاریخ کا بیان ہے کہ انہوں نے آپس میں خط و کتابت کی کہ شوال ۳۵ھ میں مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا جائے انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اگر وہ اس مطالبے کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ قرارداد کے مطابق ایک ہزار مفسدوں کا

گروہ کوفہ سے، ایک ہزار کا گروہ بصرہ سے اور ایک ہزار کا گروہ مصر سے روانہ ہوا اور تاریخ مقررہ پر مدینہ پہنچ گیا۔ ایک روایت کے مطابق ان لوگوں نے حاجیوں کے بھیس میں مدینہ کا رخ کیا[1]۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ان لوگوں نے پڑاؤ کیا اور ہر گروہ میں سے دو دو تین تین افراد شہر میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ پہلے امہات المومنین سے ملے اور ان سے کہا کہ ہماری آمد کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم حضرت عثمانؓ کے بعض گورنروں کو تبدیل کرا کر نئے گورنر مقرر کرائیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے امہات المومنین سے امداد چاہی مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ہم تمہاری کسی قسم کی مدد نہیں کریں گے۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے اور دوسرے روز اپنے سرکردہ افراد کو ساتھ لے کر حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ اب خلافت کے اہل نہیں رہے ہیں۔ آپ ہماری بیعت لے لیں۔ ان میں سے ہر صحابی نے انہیں بڑی سختی سے ڈانٹا اور اپنے پاس سے اٹھا دیا[2]۔ اس کے بعد ان صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کیا اور ان سے

[1]۔ الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۱۲۳ [2]۔ تاریخ طبری ص ۲۹۵۷

کہا کہ آپ فوری طور پر اس فتنہ کا سدباب کریں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ بہت بااثر شخص ہیں۔ آپ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر انہیں واپس جانے پر مجبور کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ ان کے پاس آئے اور ان سے طویل گفتگو کر کے انہیں لاجواب کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے کہا کہ تم فوری طور پر اپنے اپنے علاقوں میں چلے جاؤ اور فتنہ و فساد میں حصہ نہ لو۔ حضرت علیؓ کے سمجھانے بجھانے سے یہ لوگ اس وقت تو واپس چلے گئے اور اہل مدینہ مطمئن ہو گئے کہ فتنہ ٹل گیا لیکن رات کے پچھلے پہر اچانک سارا مدینہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور اَللّٰہُ اَکْبَر کے نعروں سے گونجنے لگا۔ شور سن کر حضرت علیؓ گھر سے باہر نکلے اور ان فسادیوں سے پوچھا کہ اب تم کیوں آئے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے کہنے سے واپس چلے گئے تھے اور اپنے اپنے علاقوں کو واپس جا رہے تھے کہ ہمیں راستے میں ایک شتر سوار ملا جو کبھی ہمارے دائیں چلنے لگتا کبھی بائیں۔ کبھی آگے اور کبھی پیچھے۔ ہمیں اس پر شبہ گزرا چنانچہ ہم نے اسے روک کر اس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ میں حضرت

ؐ الکامل ابن اثیر جلد سوم صـ۱۲۹

عثمانؓ کا غلام ہوں اور مصر کے گورنر کے نام ایک فرمان لے کر جا رہا ہوں۔ جب ہم نے اس سے وہ فرمان لے کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ فلاں فلاں لوگ جو مصر سے مدینہ آئے تھے جب مصر پہنچیں تو انہیں گرفتار کر کے ان کے سر قلم کر دینا۔ فلاں کے کوڑے لگانا۔ بعض کے متعلق لکھا تھا کہ ان کی داڑھیاں مونڈ دینا اور محمد بن ابوبکرؓ کو قتل کر دینا۔ یہ خط دکھا کر انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اب آپ ہی بتائیے کہ ایک طرف تو ہم سے کہا جاتا ہے کہ فتنہ و فساد میں حصہ نہ لو اور ہمیں یقین دلایا جاتا ہے کہ تم پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی اور دوسری طرف ہمارے ساتھیوں کے قتل کا حکم دیا جاتا ہے اور ہمارے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

حضرت علیؓ کی ذہانت

مفسدوں کا بیان سن کر حضرت علیؓ کے ذہن رسا نے ایک بڑا بلیغ نکتہ پیدا کیا۔ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر ذہین و فریس واقع ہوئے تھے اور معاملہ فہمی میں انہیں کمال حاصل تھا ان کی نگاہ بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ انہوں

نے مفسدوں سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ یہ خط شتر سوار مصر کی طرف لے جا رہا تھا اور کوفہ و بصرہ مصر سے بالکل مختلف سمت میں واقع ہیں۔ اپنی روانگی کے بعد تم نے مدینہ سے مصر تک جتنا فاصلہ طے کیا ہوگا اتنا ہی فاصلہ کوفہ اور بصرہ والے طے کر چکے ہوں گے۔ پھر کوفہ اور بصرہ کی طرف جانے والوں کو جو اس دوران میں کافی فاصلہ طے کر چکے تھے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اس قسم کا خط مصر کی طرف جانے والے گروہ نے پکڑا ہے۔ پھر تم بیک وقت یہاں کس طرح اکٹھا ہو کر آ گئے۔ خدا کی قسم تمہارا مخالف سمتوں میں جانا اور پھر ایک مقررہ وقت پر مجتمع ہو کر واپس آجانا ثابت کرتا ہے کہ تمہاری نیتوں میں فتور ہے اور یہ سارا منصوبہ تم نے روانگی سے پہلے مدینہ ہی میں بنایا تھا۔

اس سے حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا کہ نہ حضرت عثمانؓ نے اس قسم کا کوئی خط لکھا اور نہ اپنے قاصد کے ذریعہ مصر کے گورنر کو بھیجا اور نہ ان لوگوں نے کسی شتر سوار کو گرفتار کیا۔ ان کی دروغ بیانی کا پردہ چاک کرنے کے لئے یہی امر کافی ہے کہ انہوں نے خط تو پیش کر دیا مگر وہ قاصد اور وہ اونٹ نہ پیش کر سکے جس پر خط مصر لے جایا جا رہا تھا۔ اس سے بھی ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ شروع سے

آخر تک ایک بڑی گہری سازش اس معاملے میں کارفرما تھی جس کی مختلف کڑیاں ہم نے ڈھونڈ نکالی ہیں اور گذشتہ صفحات میں انہیں ان کے مقام پر پیش کر دیا ہے۔

بہرحال حضرت علیؓ کے اس سوال کا یہ لوگ جواب تو نہ دے سکے البتہ اپنے اس مطالبے پر اصرار کرنے لگے کہ یہ خط مروان بن الحکم کا لکھا ہوا ہے اس لئے اسے ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ چند روز تک تو انہوں نے کسی سے کوئی تعرض نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ اس طرح ان لوگوں نے اہل مدینہ پر یہ اثر قائم کر دیا کہ ہم لوگ کسی شورش کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد تو اپنے مطالبات پورے کرانا ہے لیکن چند روز کے بعد انہوں نے تشدد کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں جمعہ کا دن آگیا اور جب حضرت عثمانؓ خطبہ دینے کے لئے منبر نبویؐ پر تشریف لے گئے تو ان مفسدوں نے آپ پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ زخمی ہو کر ممبر سے نیچے گر پڑے[1] یہ دیکھ کر حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور باغیوں کی طرف جھپٹ

[1] الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۱۲۷

پڑے جب مسجد میں شور بلند ہوا تو حضرت عثمانؓ نے ان صحابہ کو بڑی سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ میری سب سے بڑی امداد یہ ہے کہ کوئی شخص میری مدافعت کے لئے تلوار کو بے نیام نہ کرے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کا خون بہایا جائے حضرت عثمانؓ کا یہ حکم سن کر ان صحابہ نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں اور اسلام کی بدقسمتی پر آنسو بہاتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے حضرت عثمانؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے جایا گیا۔ اس واقعے کے بعد انہوں نے مسجد میں تشریف لانا چھوڑ دیا۔

صحابہ کے مشورے

جب حالات زیادہ خراب ہو گئے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین میں آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک قبول کر لیجئے۔ مدینہ میں ایک طاقت ور جماعت آپ کے فدائیوں کی موجود ہے اسکی قیادت فرمایئے اور ان باغیوں سے جنگ کیجئے یا پھر بجائے صدر دروازہ کے دیوار توڑ کر دوسری جانب سے نکل جایئے اور مکہ معظمہ میں قیام فرمایئے وہ حرم محترم ہے وہاں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا

اور اگر یہ دونوں تجویزیں منظور نہ ہوں تو شام چلے جایئے وہاں معاویہؓ موجود ہیں اور لوگ ان کے پوری طرح وفادار ہیں مگر حضرت عثمانؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی کوئی تجویز قبول نہ کی اور فرمایا کہ میں مفسدوں سے جنگ کر کے مسلمانوں کی خونریزی کرانے والا پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا۔ اگر مکہ جاؤں تو مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ وہاں پہنچکر حرم محترم کی توہین کریں گے اگر ایسا ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق میں وہ شخص ہوں گا جس کی وجہ سے مکہ کی بے حرمتی کی جائے گی اور میں حرم محترم کی بے حرمتی کرنے والا شخص بننا نہیں چاہتا جہاں تک شام جانے والی تجویز کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں دار الہجرت اور جوارِ رسولؐ کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔[1]

اس کے بعد حضرت زیدؓ بن ثابت حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ انصار کی ایک جماعت دروازے پر کھڑی حکم کی منتظر ہے اگر اجازت ہو تو باغیوں سے جنگ کر کے انہیں نکال باہر کیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے اجازت نہ دی۔[2] پھر حضرت ابوہریرہؓ حاضر خدمت ہوئے اور جنگ کی اجازت چاہی مگر حضرت عثمانؓ نے منع کر دیا۔ اور فرمایا کہ

[1] مسند احمد حنبلؒ جلد اول ص۶۶ [2] طبقات ابن سعد جلد سوم ص ۴۸

کیا تم اس امر کو گوارا کرو گے کہ ساری دنیا اور اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تمہارے ہاتھ سے ایک مسلمان بھی قتل ہو گیا تو سمجھو کہ سب قتل ہو گئے۔ مجبور ہو کر حضرت ابوہریرہؓ واپس آگئے۔[1]

اس کے بعد حضرت ابن زبیرؓ حاضر خدمت ہوئے جن کے ساتھ مدینہ کے صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت حضرت عثمانؓ کے مکان کی حفاظت کر رہی تھی ان کی تعداد سات سو تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے عرض کیا کہ امیرالمومنین اس وقت مسلمانوں کی بڑی جمعیت آپ کے مکان میں موجود ہے آپ اجازت دیں تاکہ ان باغیوں سے جنگ کی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں ہر اس شخص کو جس کا ارادہ جنگ کرنے کا ہو کہ وہ میری خاطر خون نہ بہائے۔[2]

حضرت عثمانؓ سے صحابہؓ کے اختلافات کی تردید

ان مستند بیانات کی روشنی میں بعض مورخین کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ مدینہ کے صحابہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور اس ناراضگی کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی امداد نہیں کی اِسطرح

۱ طبقات ابن سعد جلد سوم ص۴۸ ۔ ۲ طبقات ابن سعد جلد سوم ص۴۹

وہ بے یار و مددگار شہید ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے وقت جو صحابہ مدینہ میں موجود تھے ان میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوہریرہؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر ان حضرات نے جو کردار ادا کیا گذشتہ صفحات میں مستند حوالوں کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:۔

۱۔ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف باغی شکایات لے کر آئے تو حضرت علیؓ سب سے پہلے صحابی تھے جنہوں نے دو مرتبہ ان لوگوں کو اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر واپس بھیجدیا۔

۲۔ جب دوسری مرتبہ یہ لوگ ایک جعلی خط تیار کر لائے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف الزام تراشی کی تو حضرت علیؓ ہی نے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کیا اور ان سے بحث و تمحیص کر کے ثابت کر دیا کہ یہ جھوٹے اور جعل ساز ہیں۔

۳۔ پھر جب جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے حضرت عثمانؓ پر پتھراؤ کیا گیا تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور بعض دوسرے صحابہ تلواریں لے کر جھپٹے تاکہ

مفسدوں کی گوشمالی کریں مگر حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو سختی سے روک دیا اور خدا کا واسطہ دیا کہ اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں۔

۴۔ جب حالات بہت زیادہ نازک صورت اختیار کر گئے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور متعدد تجاویز پیش کیں جن میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم باغیوں سے جنگ کریں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے جنگ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

۵۔ مدینہ کے عوام بھی حضرت عثمانؓ کے فدائی تھے چنانچہ سات سو افراد کی مسلح جمعیت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی معیت میں حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے ان کی گھر میں موجود تھی اور آپ سے جنگ کرنے کی اجازت مانگ رہی تھی مگر آپ نے اس جمعیت کو بھی تلوار اٹھانے سے منع کر دیا۔

کیا اب اس دعویٰ میں کوئی حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ اہلِ مدینہ اور صحابہ نے حضرت عثمانؓ کی امداد نہیں کی؟ اصل حقیقت یہی ہے کہ صحابہ اور تمام اہل مدینہ حضرت عثمانؓ کے تابع فرمان اور ان کے سچے فدائی تھے۔ اور ان کی زندگی بچانے کے لئے اپنی جانیں قربان

کرنے کے لئے تیار تھے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی فطری رحمدلی کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ ایک بار تلواریں بے نیام ہونے سے کہیں مستقل طور پر جنگ وجدل نہ شروع ہو جائے صحابہ اور اہلِ مدینہ کو تلوار اٹھانے سے روک دیا۔

شہادتِ عثمانؓ

جب باغیوں نے دیکھا کہ مدینہ میں کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا اور وہ نہایت آزادی سے جہاں چاہتے جاتے اور جو چاہتے کرتے ہیں تو ان کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ رفتہ رفتہ یہ محاصرہ اتنا شدید ہو گیا کہ کھانے کی کوئی چیز اور پانی کا ایک ایک قطرہ بھی اندر نہ جا سکتا تھا۔ ادھر حج کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اس لئے باغیوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر ان حالات کی اطلاع حاجیوں کو ہو گئی تو وہ سیدھے مدینہ کا رخ کریں گے اور اس صورت میں ان کی خیر نہیں ہو گی چنانچہ وہ مسلح ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے ارادے سے ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ وہاں حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، حضرت محمد ابن طلحہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے بیٹے قصر عثمانؓ کی حفاظت کے لئے موجود

تھے۔ ایک روایت کے مطابق باغیوں سے ان لوگوں کا مقابلہ بھی ہوا اور بہت سے لوگ زخمی ہو گئے چند باغی اپنے ساتھیوں کو حضرت عثمانؓ کے محافظین کے ساتھ الجھا کر چپکے سے دوسری جانب سے قصرِ خلافت میں داخل ہو گئے اور اس چھیاسی سالہ صحابیٔ رسولؐ اور شفقت و محبت کے پیکرِ عظیم کو اس حالت میں شہید کر دیا کہ وہ روزے سے تھا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کر رہا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خلافتِ علیؓ

خلافتِ علیؓ

شہادتِ عثمانؓ کے واقعے نے سارے مدینہ میں قیامت برپا کردی جس نے سنا سکتہ میں آگیا۔ لوگ افتاں وخیزاں کاشانہ خلافت میں آتے اور حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ لاش کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے مگر اب رونے سے کیا ہو سکتا تھا۔ قضا و قدر کا فیصلہ ہو کر رہا حضرت عثمانؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت پا لینے کے بعد مدینہ کے اکابر جن میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ امت بغیر امام کے ہے اور اس وقت آپ سے زیادہ بہتر اور موزوں آدمی اور کوئی نہیں ہے اس لئے آپ ہماری بیعت لے لیں حضرت علیؓ نے

فرمایا کہ میں امیر ہونے سے مشیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تم جسے اپنا خلیفہ منتخب کرو گے میں بھی اس کی بیعت کر لوں گا۔ مگر ان حضرات نے اصرار کیا کہ نہیں ہم آپ ہی کو خلیفہ بنائیں گے۔ مگر حضرت علیؓ نے پھر انکار کیا۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ جب تک آپ ہماری بیعت نہیں لیں گے اس وقت تک ہم یہاں سے نہیں اٹھیں گے۔ ان کا حد سے زیادہ اصرار دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر آپ لوگ میری بیعت لینا ہی چاہتے ہیں تو پھر گھر کے بجائے مسجد میں تشریف لے آئیے گا۔ میں خفیہ بیعت کو پسند نہیں کرتا ہوں وہاں سب کے مشورے سے اس کا فیصلہ ہو گیا۔

بیعتِ علیؓ

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ مدینہ کے عام لوگ بھی جمع ہو گئے۔ آپ نے پہلے حضرت طلحہؓ اور پھر حضرت زبیرؓ سے کہا کہ اگر تمہیں میری بیعت کرنے میں کوئی عذر ہو تو میں تم میں سے کسی ایک کی بیعت کرنے کو تیار ہوں مگر ان دونوں حضرات نے کہا کہ نہیں ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت

کی گئی۔ مختلف مورخوں نے اس بیعت کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

> حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاً بعد ذی الحج کے آغاز میں حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کی گئی اس بیعت میں مدینہ کا ہر وہ شخص شریک ہوا جو اس وقت شہر میں موجود تھا۔ تمام اسلامی مملکتوں میں اس بیعت کی اطلاع بھیجی گئی اور ہر شہر کے مسلمانوں نے برضاؤ رغبت حضرت علیؓ کی اطاعت اختیار کی صرف معاویہؓ اور اہل شام نے انکار کیا۔[1]

ایک اور مشہور مورخ ابن اثیر اس بیعت کی روئیداد اس طرح بیان کرتا ہے۔

> حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت لے لیں۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں امیر ہونے سے وزیر ہونے کو بہتر سمجھتا ہوں مگر جب انصار و مہاجرین نے بہت اصرار کیا تو آپ نے خلافت قبول فرمائی۔[2]

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ صہ ۵۶ [2] الکامل ابن اثیر جلد سوم صہ ۱۵۳

اپنی خلافت کی بیعت لینے کے بعد آپ نے ایک اجتماعِ عام سے خطاب فرمایا۔ اس اجتماع میں مہاجرین و انصار، اہلِ مدینہ اور باغی افراد غرض سب لوگ شریک ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے کتاب مبین نازل فرمائی جس میں انسانوں کی بھلائی اور برائی دونوں کے متعلق آیات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جن فرائض کی ادائیگی کا تمہیں حکم دیا ہے وہ ادا کرو اس کے عوض میں تمہیں جنت میں جگہ دی جائے گی۔ خداوند کریم نے اس زمین کو جہاں تم اس وقت موجود ہو قابلِ احترام ٹھہرایا ہے اس لئے یہاں کوئی ایسا فعل نہ کرو جس سے اس مقدس سرزمین کی بے حرمتی ہو۔ ہر مسلمان کی جان دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ قدر و قیمت کی حامل ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ مسلمان صحیح معنی میں وہی ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان کو نقصان نہ پہنچے۔ سوائے اس کے کہ کسی مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو دکھ دیا ہو اور کسی صورت میں اس پر دست درازی جائز نہیں ہے اور وہ بھی قانون کے مطابق ہونی چاہیئے (یعنی ہر شخص کو

یہ حق حاصل نہیں ہے کہ انتقام کا نعرہ لگا کر لوگوں کا خون بہاتا یا انہیں آزار پہنچاتا پھرے بلکہ حاکمِ وقت کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے وہ اسے قانون کے مطابق سزا دے گا) جب خدا کے بندوں سے کوئی معاملہ کرو تو خوفِ خدا کو مدِ نظر رکھو۔ یاد رکھو کہ حشر میں زمینوں اور چوپایوں کے متعلق بھی تمہیں جواب دہی کرنی پڑے گی۔ احکامِ خداوندی کی اطاعت میں لگے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ حدود و الٰہی کو توڑنا شروع کر دو تمہیں جہاں بھی کوئی امرِ خیر نظر آئے اسے فوراً قبول کر لو اور جہاں کوئی امرِ شر دیکھو اس سے اپنا دامن بچاتے رہو۔ اس وقت کو یاد کرو جب تمہاری تعداد کم تھی اور تم کمزور بھی تھے (مگر اتفاق و اتحاد کی بدولت اور احکامِ الٰہی کی پیروی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں کامیابی اور قوت و عظمت عطا فرمائی)

حضرت علیؓ کا یہ پہلا خطبہ ہے جو آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا اور اس کے ایک ایک لفظ سے اصلاحِ امت کا جذبہ صاف جھلک رہا ہے۔ اس خطبے میں آپ نے حضرت عثمانؓ کے باغیوں کو امن و امان سے رہنے کی تلقین کی اور قصاصِ عثمانؓ کا نعرہ لگانے والوں کو نزاکتِ وقت سے آگاہ کرنے کے علاوہ انہیں یہ نکتہ بھی سمجھایا کہ کسی شخص کو بطورِ خود یہ حق حاصل نہیں ہے کہ قانون کو

اپنے ہاتھ میں لے کر من مانی کارروائیاں کرے اور ایک شخص کے قتل کے قصاص میں سیکڑوں افراد کا خون بہائے بلکہ یہ حق صرف خلیفہ کو حاصل ہے کہ وہ معاملے کی تحقیق کرے اور ثبوت مہیا ہونے پر مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔ اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق سے رہنے کی ہدایت فرمائی اور انہیں یاد دلایا کہ باوجود تعداد میں کم اور کمزور ہونے کے وہ کفار پر غالب آگئے تھے اور انہوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے تھے صرف اس لئے کہ ان میں اتحاد و اتفاق تھا اور وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے تھے۔

اہل مدینہ سے بیعتِ خلافت لینے کے بعد حضرت علیؓ نے مملکت کے دوسرے صوبوں کے گورنروں کے نام فرامین جاری کئے جن میں انہیں لکھا کہ مہاجرین و انصار کی اکثریت اور اہل مدینہ کے اجماع سے میری بیعت کر لی گئی ہے۔ تم بھی اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں سے میری خلافت کی بیعت لے لو۔ سوائے شام کے جہاں حضرت علیؓ کے حریف امیر معاویہؓ گورنر تھے مملکتِ اسلامیہ کے ہر صوبے کے لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی۔

قصاص کا مطالبہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی مروان اور بنو امیہ سے تعلق رکھنے والے لوگ مدینہ سے بھاگ کر مکہ پہنچ گئے اور وہاں جاکر حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے ام المومنین کے سامنے واقعات کی نہایت غلط تصویر پیش کی اور ان کو یہ تاثر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے اور یہ کہ ان کی خلافت قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ کچھ لوگوں نے جبر اور خوف کی وجہ سے ان کی بیعت کر لی ہے۔ ادھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ بے گناہ شہید کئے گئے ہیں اس لئے آپ ان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے سزا دیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں بھی اس سے غافل نہیں ہوں لیکن سب سے پہلی ضرورت قیام امن اور استحکام خلافت کی ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ حالات ابھی درست نہیں ہوئے ہیں۔ تم سب لوگ میرے ساتھ تعاون کرو جب پوری طرح استحکام پیدا ہو جائے گا تو میں سب سے پہلے اسی طرف توجہ دوں گا۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے اس جواب سے مطمئن نہ

ہوئے اور ان کی اجازت سے مکہ چلے گئے جہاں پہنچ کر انہوں نے بھی حضرت عائشہ کو خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کی ترغیب دی۔

حضرت علیؓ کی مشکلات

حضرت علیؓ نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے جو کچھ کہا تھا وہ نہ صرف واقعات کے عین مطابق تھا بلکہ ملکی سیاسیات اور فراست کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ مدینہ کے حالات اس وقت بہت نازک تھے اور باغی اہل مدینہ سے اور اہل مدینہ باغیوں سے غیر مطمئن تھے۔ حضرت علیؓ کی خلافت ابھی مستحکم بھی نہ ہوئی تھی۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے اصل قاتلوں کا نام کسی کو معلوم نہ تھا باوجودیکہ حالات ناسازگار تھے مگر حضرت علیؓ نے پھر بھی حیرت انگیز جرأت سے کام لے کر اس معاملے کی خود تحقیق کی۔ سب سے پہلے انہوں نے حضرت نائلہؓ کا بیان لیا جو حضرت عثمانؓ کی بیوی اور موقع کی گواہ تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ مکان میں جو لوگ داخل ہوئے تھے ان میں سے میں صرف محمد بن ابوبکرؓ کو پہچانتی ہوں۔ باقی لوگوں کے متعلق میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کون تھے۔ حضرت علیؓ نے اسی وقت محمد بن ابوبکرؓ کو طلب کیا اور ان کا بیان لیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس میں

شبہ نہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوا تھا مگر جب میں نے ان کی داڑھی پکڑی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے اگر آج تیرا باپ (حضرت ابوبکرؓ) زندہ ہوتا تو وہ کبھی یہ برداشت نہ کرتا تو حضرت عثمانؓ کے یہ الفاظ سن کر میں سخت نادم ہوا اور شرمساری کی حالت میں باہر چلا آیا اس کے بعد انہیں کس نے شہید کیا اس کا مجھے علم نہیں۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابوبکرؓ کے اس بیان کی حضرت نائلہؓ سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ٹھیک کہتا ہے۔ قتل کے واقعے میں یہ شریک نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے جب مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جس وقت حضرت عثمانؓ پر ایک شخص نے حملہ کیا اور حضرت نائلہؓ کی آہ و بکا کی آواز بلند ہوئی تو حضرت عثمانؓ کے چند غلام دوڑے ہوئے اندر آئے اور ان میں سے ایک نے قاتل کا سر اپنی تلوار سے اڑا دیا۔ یہ دیکھ کر ایک اور باغی نے اس غلام کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے ایک دوسرے غلام نے آگے بڑھ کر اس دوسرے باغی کو ہلاک کر دیا۔ محمد بن ابوبکرؓ کے ساتھ یہی دو آدمی آئے تھے اور ان دونوں کو حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ حضرت عثمانؓ کے یہی اصل قاتل تھے جنہیں ان کے کئے کی سزا مل چکی تھی۔ ان ہزاروں آدمیوں کو جو مدینہ میں موجود تھے اور حضرت عثمانؓ کو خلافت سے دستبردار

ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔ قتل کر دینا نہ قرینِ انصاف تھا اور نہ حالات اس کی اجازت دیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ شورش پسند ضرور تھے مگر ان میں بیشتر لوگ ایسے تھے جنہیں ورغلایا گیا تھا اور ان کے سامنے حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف جھوٹی شکائتیں اور اشتعال انگیز باتیں بیان کی گئی تھیں اس لئے یہ لوگ مشتعل ہو کر آ گئے تھے مگر انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ انہیں فتنہ و فساد کے جرم میں سزا ضرور دی جانی چاہیئے تھی۔ مگر جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ اصل قاتل حضرت عثمانؓ کے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اس لئے اصولاً یہ معاملہ ختم ہو جانا چاہیئے تھا مگر مروان اور بنو امیہ کے مفسدین ہر قیمت پر حضرت علیؓ کی خلافت کو ناکام بنانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کو خونِ عثمانؓ کے قصاص پر ابھارا اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس مطالبہ کی تائید کی۔

امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ

حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کی خبر سے جس شخص کو سب سے زیادہ

رنج پہنچا وہ شام کے گورنر امیر معاویہؓ تھے۔ امیر معاویہؓ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں دمشق کے گورنر تھے۔ پھر جب شام کا سارا علاقہ فتح ہو گیا تو انہیں شام کا گورنر بنا دیا گیا۔ وہ بنو امیہ کے مشہور سردار ابو سفیانؓ کے بیٹے تھے اور اپنے باپ کے ساتھ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے انہیں کچھ عرصہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے کا بھی شرف حاصل رہا۔ حضور ممالکِ غیر سے جو خط و کتابت فرماتے تھے اس کی کتابت کا فریضہ کچھ عرصے تک حضرت معاویہؓ نے بھی سرانجام دیا۔ آں حضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انہوں نے بعض بڑے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ اسلامی مملکت کی توسیع میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی بحری بیڑا تیار کیا اور اس کے ذریعہ سے رومیوں کی سرکوبی کی۔ وہ غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے۔ ان جیسی ذہانت و فراست اور جوڑ توڑ کا آدمی عالمِ اسلام نے کم پیدا کیا۔ ان میں صبر و تحمل، حلم و بردباری، عفو و درگزر اور فیاضی کی صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ یہ ان کی وہ خوبیاں ہیں جن کا ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان میں نسلی عصبیت موجود تھی۔

بنو امیہ کو بنو ہاشم سے جو رقابت بلکہ عداوت تھی امیر معاویہؓ بھی اس عداوت میں برابر کے شریک تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی جو بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں بیعتِ خلافت کر لی گئی ہے تو یہ امر انہیں بہت شاق گذرا اور یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علیؓ جیسا پاکباز شخص فتنہ و فساد میں حصہ نہیں لے سکتا۔ انہوں نے بدظنی سے کام لیا اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ حضرت علیؓ بھی اس فتنے میں شریک ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص اور ان کی بیوی حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں نمائش کے لئے رکھ دیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر مشتعل ہوں اور حضرت علیؓ کے خلاف فضا ہموار ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا لوگ یہ چیزیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور مقتول خلیفہ کا بدلہ لینے کی قسمیں کھاتے تھے۔ اس طرح انہوں نے سارے شام کو حضرت علیؓ کے خلاف مشتعل کر دیا ظاہر ہے کہ پروپیگنڈے کا یہ پست طریقہ موجودہ عہد کے سیاست دانوں کو تو زیب دیتا ہے مگر ایک ایسے شخص کے کسی طرح شایانِ شان نہیں جسے رسول اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل رہا ہو۔ پھر جب حضرت علیؓ نے انہیں لکھا کہ اہل شوریٰ اور مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نے مجھے خلیفہ تسلیم کر لیا ہے تم بھی میری بیعت کر لو۔ اس پر نہ

صرف امیر معاویہؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا بلکہ حضرت علیؓ کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں شروع کر دیں اور ان سے جنگ کرنے کے لئے لشکر آراستہ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور امیر معاویہؓ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر جرار منظم کرنے لگے۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت عائشہؓ بعض شر پسند لوگوں کے بہکانے سے ان کے خلاف صف آرا ہو رہی ہیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت عائشہؓ سے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔

اختلافات عائشہؓ و عثمانؓ

اختلافاتِ عائشہؓ و عثمانؓ

حضرت عائشہؓ کے مختصر حالات

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ بعثت [illegible] سال میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا لقب صدیقہ تھا۔ شوال سنہ ۲ھ میں جب ان کی عمر انیس (۱۹) سال کی تھی۔ حضور کی زوجۂ محترمہ کی حیثیت سے کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ آپ شروع ہی سے بڑی ذہین تھیں بلا کا حافظہ پایا تھا اور اپنے بچپن کی ایک ایک بات آپ کو یاد تھی۔ اپنی اسی ذہانت و فراست کی وجہ سے انہوں نے حضورؐ کے دل میں اپنے لئے خاص مقام پیدا کر لیا تھا جو حضورؐ کی ازواج میں سے

حضرت خدیجہ رضؓ کے سوا اور کوئی بیوی پیدا نہ کر سکی۔ حضورؐ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دی۔ دین اور اخلاق کا کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جو آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کو نہ سکھایا ہو۔ حضرت عائشہؓ خود بھی منطق پسند طبیعت کی حامل تھیں۔ اسی لئے مختلف دینی مسائل کے متعلق حضورؐ سے سوالات کرتی رہتی تھیں اور حضورؐ ان کے کافی و شافی جوابات دیتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کے علم میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ حضورؐ کی توجہ، قرآن حکیم کے گہری نظر سے مطالعے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر غور کرتے رہنے کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کو علم قرآن، علم حدیث اور علم فقہ پر غیر معمولی دسترس حاصل ہو گئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ کے فہم و فراست اور علم دین سے واقفیت کے پیش نظر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ "نصف دین عائشہؓ سے سیکھو"

حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کی بارگاہ میں جو عزو شرف حاصل تھا اس نے ان کے دل میں فخر و مباہات کے جذبات پیدا کر دیئے تھے ان میں حاضر جوابی کی صفت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ حضورؐ سے ناز و انداز بھی کر لیا کرتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں رشک کا مادہ بھی تھا ..... جو

ل مسند امام احمد بن حنبلؒ تذکرہ عائشہؓ ص۲۷

فطرتِ نسوانی کا خاصہ ہے وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ حضورؐ ان کے سامنے اپنی اور کسی بیوی کی تعریف نہ کریں۔ بعض اوقات وہ اپنی سوکنوں کو کسی قدر تحقیر سے بھی یاد کر لیتی تھیں۔ اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ حضورؐ کی محبت کو صرف اپنے لئے وقف کر لینا چاہتی تھیں۔ فطری ذکاوت نے ان کے مزاج میں تیزی بھی پیدا کر دی تھی۔

ان کی عمر اٹھائیس سال کی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالم خاکی سے ملاء اعلیٰ کو تشریف لے گئے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کو عین جوانی میں بیوگی کا داغ برداشت کرنا پڑا مگر انہوں نے بیوگی کا یہ طویل زمانہ کمال صبر و سکون اور استقامت سے گذارا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی کے آخری دن انہیں کے حجرے میں بسر کئے اور وصال کے بعد آپ ہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق وصال کے وقت حضورؐ کا سر اقدس آپ کی گود میں تھا۔ ان تمام خصوصیات نے حضرت عائشہؓ میں ایک شانِ امتیاز پیدا کر دی تھی اور خود انہیں بھی اپنے اس امتیاز کا احساس تھا بعد میں پیش آنے والے سیاسی حالات میں حضرت عائشہؓ کے اس احساس کو بڑا دخل تھا۔

شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

اس باب کے آغاز میں حضرت عائشہؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت عائشہؓ کی شادی ہوئی تو ان کی عمر انیس (۱۹) سال کی تھی۔ چونکہ یہ دعویٰ مسلمہ روایات کے خلاف ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی توضیح کردی جائے۔ عام روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والدِ گرامی حضرت ابوبکرؓ صدیق کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ پیغام قبول فرما لیا۔ نبوت کے دسویں سال اور ہجرت سے تین سال قبل حضورؐ سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوگیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی۔ تین سال بعد جب کہ ان کی عمر ۹ سال کی تھی رخصتی عمل میں آئی لیکن نقد کی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ضرورت تھی کہ آپ چھ سال کی ایک ایسی بچی سے نکاح فرماتے جو اپنے برے بھلے کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ حضورؐ سے زیادہ اس نکتے کو اور کون

سمجھ سکتا تھا کہ نکاح نام ہے فریقین کی باہمی رضامندی کا اور اصل فریق لڑکی ہوتی ہے نہ کہ اس کا ولی۔ رضامندی وہی ہوتی ہے جس کا اظہار سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ چھ سال کی بچی میں اتنا شعور کہاں ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ جس ہستی سے اس کا نکاح ہو رہا ہے وہ اس کے ساتھ زندگی گذار سکے گی یا نہیں؟ اس کی طبیعت اپنے ہونے والے شوہر کی طبیعت سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں؟ چھ سال کی بچی تو یہ بھی نہیں جانتی کہ نکاح کسے کہتے ہیں اور نکاح ہونے کے بعد لڑکی اور لڑکے پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ صغر سنی کے اس نکاح پر دوسرا اعتراض یہ عائد ہوتا ہے کہ عرب میں ایک سے ایک عالی نسب، شریف النفس، حسین اور جوان عمر کی عورتیں موجود تھیں۔ کیا حضورؐ ان میں سے کسی خاتون سے نکاح نہیں فرما سکتے تھے۔ غیر مسلم مورخ صغر سنی کی اس شادی کی وجہ سے حضورؐ پر بڑے ناپاک الزام عائد کرتے ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہمارے مورخین اور تذکرہ نویسوں نے بڑی تگ و دو کے بعد ایک نکتہ پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ عرب کی آب و ہوا گرم ہے وہاں لڑکیاں جلد جوان ہو جاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آب و ہوا کا اثر صرف عورتوں ہی پر پڑتا ہے؟ آب و ہوا تو سب پر یکساں اثر

ڈالتی ہے۔ اگر آب و ہوا کے اثر کی وجہ سے عرب کی لڑکیاں جلدی جوان ہوجاتی ہیں تو اسی نسبت سے وہاں کے لڑکوں کو بھی جلد جوان ہوجانا چاہیئے۔ اگر عرب لڑکی نو سال کی عمر میں شادی کے قابل ہوجاتی ہے تو بارہ تیرہ سال کی عمر میں لڑکوں کو بھی شادی کے قابل ہوجانا چاہیئے۔ کیا تاریخ سے کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عرب میں کسی لڑکے کی شادی (رخصتانہ مراد ہے) بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں ہوگئی ہو۔ کیا آب و ہوا کا اثر صرف حضرت عائشہؓ ہی پر پڑا۔ کیا عہدِ رسالت کی تاریخ سے کسی اور خاتون کا نام پیش کیا جاسکتا ہے جس کی شادی نو سال کی عمر میں ہوئی ہو ہماری معلومات کے مطابق عہدِ رسالت کی تاریخ سے ایسی کسی خاتون کا نام پیش نہیں کیا جاسکتا گویا درایت کے اصول پر یہ واقعہ درست ثابت نہیں ہوتا اور اس روایت کو قبول کرلینے کے نتیجے میں حضورؐ کا دامنِ مبارک داغ دار ہوتا ہے جہاں تک روایت کا تعلق ہے اس معیار پر پرکھنے کے بعد بھی یہ واقعہ قطعی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ کی شادی سے تعلق رکھنے والی معلومہ روایتوں کے علاوہ کوئی اور روایت موجود نہ ہوتی تو ہم کسی حد تک مجبور ہوجاتے کہ اس روایت کو قبول کرلیں لیکن جب ہم کتبِ سیر و رجال کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں ان میں کچھ ایسی روایتیں

ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کی شادی ہوئی تو ان کی عمر ۹ سال کی نہیں بلکہ سترہ یا انیس سال کی تھی اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسی روایتوں کو چھوڑ کر جن سے حضورؐ کی عظمت میں کمی نہیں آتی ان روایتوں کو قبول کیا جائے جن کی مدد سے غیر مسلم مورخ حضورؐ کے دامن پر داغ لگاتے ہیں۔ اب ہم ان روایتوں پر بحث کرتے ہیں جن سے شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم سے کم سترہ سال اور زیادہ سے زیادہ انیس سال کی ثابت ہوتی ہے۔ ایک بہت بڑا مورخ لکھتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں[۱]

بہ ظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اگر حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سترہ یا انیس سال کی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی روایت سے یہ سارا عقدہ حل ہوجاتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت فاطمہؓ کب پیدا ہوئیں۔ چنانچہ تاریخ بتاتا ہے

۱؎ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۷۷

کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش کے وقت حضورؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔[۱]
اور اس پر سب متفق ہیں کہ حضورؐ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ گویا حضرت فاطمہؓ کی پیدائش نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ حضرت فاطمہؓ ۱۱ھ میں فوت ہوئیں گویا وفات کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر تیس سال تھی کیونکہ حضرت فاطمہؓ نے

۵ سال نبوت سے قبل گذارے

۱۵ سال مکہ میں گذارے[۲]

۱۰ سال مدینہ میں گذارے

گویا حضرت فاطمہؓ کل تیس سال زندہ رہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی تو دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کتنی تھی جیسا کہ قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت فاطمہؓ کی

[۱] اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۷۷ [۲] ~~نبوت کے بعد مکہ میں حضورؐ کا قیام تیرہ سال بتایا جاتا ہے مگر یہ غلط ہے۔ آپ نبوت کے بعد اپنے وطن میں پندرہ سال مقیم رہے~~

وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ آپ کی شادی ۲ھ میں ہوئی اور حضورؐ کا وصال ۱۱ھ میں ہوا گویا حضرت عائشہؓ کو نو سال حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اگر پچیس میں سے نو نکال دیئے جائیں تو سولہ باقی رہ جاتے ہیں۔ چونکہ ان میں سے ہر سال میں کچھ مہینوں کی کمی ہے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت ~~پندرہ سال ثابت ہوتی ہے~~

دوسری روایت اس سے بھی زیادہ وزنی اور وقیع ہے اور یہ روایت صاحبِ مشکوٰۃ حضرت علامہ شیخ ولی الدین خطیب عمری تبریزیؒ نے اپنی کتاب اکمال فی اسماء الرجال میں جو مشکوٰۃ کا تتمہ ہے درج کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ حضرت اسماءؓ کا انتقال سو سال کی عمر میں ہوا۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔"[۱]

جب حضرت اسماءؓ کی عمر ۷۳ھ میں سو سال کی تھیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ان کی عمر ہجرت کے وقت ستائیس سال کی ہوگی اور حضرت عائشہؓ حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں۔

[۱] مشکوٰۃ باب اکمال فی اسماء الرجال (عربی) صفحہ ۵۸۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی

گویا ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر[1] سترہ سال کی تھی اور حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ ۲ھ میں ہوا اس سے ثابت ہوا کہ رخصتانے کے وقت ان کی عمر انیس[1] سال کی تھی۔ یہی روایت صحیح اور حضور کی شان کے مطابق ہے کہ آپ نے ایک ایسی خاتون مکرم سے شادی کی جو اپنے بھلے برے کا پورا شعور رکھتی تھی اور بلوغت کی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی۔

شیخین کا سلوک

جس طرح حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر کے بارے میں غلط روایات مشہور ہو گئیں اسی طرح انکی زندگی کے بعض اور پہلوؤں کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ دو خلفائے راشدین حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ ان کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے اور وہ دونوں کی جانی دشمن تھیں۔ صرف شیخین (حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ) سے ان کی کشیدگی کے متعلق روایات وضع کرنے کا ان واضعین کو موقع نہ مل سکا کیونکہ خوش قسمتی سے ان دونوں خلفاء کے زمانے کے سیاسی حالات ایسے تھے کہ واضعین روایات اپنے مذموم عزائم کو جامہ عمل پہنانے کا موقع ہی نہ پا سکے۔

خلفائے ثلاثہ کا سلوک

تاریخوں میں آتا ہے کہ حضور کے وصال کے بعد حضرت عائشہؓ کے والد مکرم حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عائشہؓ کے مرتبہ میں کسی قسم کی کمی نہ آئی بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ان کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہ آئی۔ جب حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کے وظائف مقرر فرمائے تو دیگر ازواج کے لئے دس ہزار سالانہ اور حضرت عائشہؓ کے لئے بارہ[1] ہزار مقرر کئے اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ اس ترجیحی سلوک کے جواز میں یہ دلیل پیش کی کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو دو ہزار اس لئے زیادہ دیا ہے کہ حضور بھی ان کو دوسری ازواج پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب مال غنیمت آتا تو اس میں جو چیز سب سے زیادہ قیمتی ہوتی وہ حضرت عائشہؓ کی نذر کر دیا کرتے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تب بھی حضرت عائشہؓ کی شان اور مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ حسب سابق تمام مسلمانوں کی عقیدت اور احترام کا مرکز بنی رہیں۔ لوگ ان کی

۱؎ مستدرک حاکم جزء صحابیات تذکرہ عائشہؓ

خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے رہے خود حضرت عثمانؓ ان کے ساتھ بڑے احترام اور نیاز مندی سے پیش آتے اور ان سے مشورے لیتے رہتے۔

اختلافات کی فرضی داستان

باوجودیکہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عائشہؓ کے اعزاز و اکرام میں کبھی کمی نہ کی اور ہمیشہ تمام مسلمانوں اور اکابر صحابہ پر انہیں ترجیح دی مگر افسوس کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اختلافات کی بہت سی غلط روایات بعض مخصوص مصلحتوں کے تحت مشہور کر دی گئیں اور اس ہوشیاری سے مشہور کی گئیں کہ ہمارے بعض قدیم مورخ ان روایات سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے یہ روائتیں اپنی کتابوں میں درج کر دیں اس طرح لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھیں اور ان دونوں بزرگوں میں شدید اختلافات تھے۔ ایک مورخ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ جب حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا اور حضرت عائشہؓ حج کے لئے روانہ ہونے لگیں ... تو مروان بن الحکم ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ ام المومنین ایسے نازک حالات میں جب کہ حضرت عثمانؓ کی جان کے

لالے پڑے ہوئے ہیں آپ مکہ تشریف لے جا رہی ہیں؟ آپ کو چاہیے کہ آپ یہیں مقیم رہیں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مفسدوں کے ظلم و ستم سے حضرت عثمانؓ کو بچانے کی کوشش کریں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اے مروان تم کیا کہتے ہو اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے صاحب (حضرت عثمانؓ) کو اپنے سفر کے تھیلوں میں سے ایک تھیلے میں بند کر لیتی اور لے جا کر بحیرۂ عرب میں غرق کر دیتی۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے صاحب (حضرت عثمانؓ) کے پیروں میں چکیوں کے دو پاٹ باندھ کر سمندر میں ڈال دیتی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات ثابت کرنے کے لئے ایک روایت وضع کی گئی کہ ایک روز حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ کی آواز سن کر حضرت عائشہؓ اپنے کمرے میں گئیں اور وہاں سے ایک قمیض لائیں اور اسے لوگوں کو دکھاتے ہوئے فرمایا کہ "یہ رسولؐ اللہ کا پیرہن ہے ابھی یہ بوسیدہ نہیں ہوا مگر حضرت عثمانؓ نے سنتِ رسولؐ کو بوسیدہ کر دیا۔"

ایک راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں کہا کرتی تھیں کہ اس نعثل (یہ ایک یہودی کا نام تھا) کو قتل کر ڈالو۔"

پھر یہی راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کر لی گئی ہے تو انہوں نے یک دم پہلو بدل لیا اور حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان تمام فسادیوں کی ساری کائنات سے زیادہ قابلِ احترام اور افضل تھی۔ عثمانؓ کو بے گناہ قتل کیا گیا۔

راویوں کا مقصد

اس طرح راویوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عائشہؓ ایک موقع پرست اور زمانہ ساز خاتون تھیں اور ہوا کا رنگ دیکھ کر اپنا رنگ بھی بدل لیا کرتی تھیں۔ انہوں نے پہلے تو لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل پر اکسایا اور جب وہ قتل کر دیئے گئے تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے مقتول خلیفہ کی مظلومیت اور معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ صرف یہی نہیں اس سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عائشہؓ کو یہ تو پسند تھا کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے جاتے مگر یہ پسند نہ تھا کہ ان کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کی جاتی۔ ایک اور روایت کے مطابق

وہ اپنے بھتیجے طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھیں مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ خلافت حضرت طلحہؓ کی طرف جانے کے بجائے حضرت علیؓ کی طرف چلی گئی تو انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خونِ عثمانؓ کو آڑ بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے بغض رکھتی تھیں یا نہیں؟ اس سوال پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔ پہلے ہم اس سوال پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کیا حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ میں اختلافات تھے؟ اور یہ اختلافات اتنے شدید تھے کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی جان کی دشمن ہو گئی تھیں؟

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ حج کے لئے روانہ ہونے لگیں تو مروان نے انہیں یہ کہہ کر روکنا چاہا کہ آپ مسلمانوں میں اس وقت سب سے زیادہ بااثر شخصیت ہیں اس لئے آپ مدینہ ہی میں قیام فرمایئے اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے باغیوں کی دست برد سے حضرت عثمانؓ کو بچانے کی کوشش کیجئے۔ اس روایت کا یہ حصہ درست ہے لیکن اس کا وہ حصہ جس میں آپ سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں عثمانؓ کو غرق کر دیتی قطعاً غلط ہے اسی طرح یہ روایت بھی نہایت مہمل اور جعلی ہے جس میں حضرت عائشہؓ سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ

اس نعثل (یعنی حضرت عثمانؓ) کو قتل کر ڈالو۔ ان روایات کے غلط اور ناقابل اعتبار ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس قسم کی تمام روایات یعقوبی نے بیان کی ہیں اور تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یعقوبی کا تعلق اس فرقے سے تھا جو خلفائے ثلاثہ (حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ) کا مخالف ہے ظاہر ہے کہ ایسے مورخ سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ان بزرگوں کے متعلق حسن ظن سے کام لے گا یا ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرے گا۔ وہ تو جب بھی پیش کرے گا انہیں برائی کا مجسمہ بنا کر پیش کرے گا۔ دوسرے ان روایات کے ناقابلِ اعتبار اور جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان یعقوبی سے کہیں زیادہ معتبر کتابوں میں موجود ہے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کا بے حد احترام کرتی تھیں اور دونوں میں کسی قسم کی شکر رنجی نہ تھی چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ کا بیان

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کبھی عثمانؓ کی تذلیل کو پسند نہ کیا۔ اگر میں نے کبھی ایسی خواہش کی ہو تو خدا

کرے میں بھی ایسی ہی ذلیل کی جاؤں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ عثمانؓ کو قتل کیا جائے اگر میں نے ایسا چاہا ہو تو خدا کرے میں بھی قتل کی جاؤں[1]"

کیا حضرت امام بخاری جیسے ثقہ مورخ و محدث کی اس روایت کے بعد ہمارے لئے کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ہم ان جعلی اور ناقابلِ اعتبار روایتوں کو تسلیم کریں؟ اور روئے زمین پر کوئی ایسا مسلمان ہے؟ جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے اس حلفیہ بیان کو جھٹلانے کی جرأت کرے۔ پھر مورخوں کے اس متفقہ بیان کو بھی ملحوظ رکھئے کہ جب حضرت عائشہؓ حج کے لئے جانے لگیں تو انہوں نے اپنے بھائی محمد بن ابوبکرؓ پر بہت زور دیا کہ وہ آپ کے ساتھ مکہ چلا چلے لیکن اس نے آپ کی بات نہ مانی۔ اگر حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی دشمن ہوتیں اور انہیں قتل کرانا چاہتیں تو مفسدوں کے اس سرغنہ کو اپنے ساتھ لے چلنے پر کیوں زور دیتیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے آپ کا مقصد یہی تھا کہ محمد بن ابوبکرؓ کا باغیوں پر بڑا اثر ہے جب وہ آپ کے ساتھ چلا جائے گا تو ایک تو اس سے باغیوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

[1] بخاری جز خلق افعال العباد ص۲۶ مطبوعہ انصاری پریس دہلی۔

اور دوسرے وہ اس فتنے سے بچ جائے گا۔ اس سلسلے میں مسند امام احمد کی ایک روایت بھی مدنظر رکھنی چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ:-

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمانؓ سے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ تمہیں خلافت کا جامہ پہنائے تو تم اسے پہنے رکھنا اتارنا مت۔[1]

اگر حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھیں یا آپ کی خلافت کو پسند نہ کرتی تھیں اور آپ کے قتل تک کے درپے تھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے ایسی روایت کیوں بیان کرتیں جس سے حضرت عثمانؓ کی خلافت پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ اس روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنایا جائے گا اور لوگ ان سے مطالبہ کریں گے کہ وہ جامہ خلافت اتار دیں لیکن حضورؐ کے نزدیک باغیوں کا یہ مطالبہ جائز نہ ہوگا اس لئے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو ہدایت فرمادی کہ تم اپنے موقف پر سختی سے قائم رہنا گویا یہ روایت بیان کرکے حضرت عائشہؓ

[1] مسند امام احمد جلد ششم ص ۲۶۳

ان لوگوں کو مفسد قرار دے رہی ہیں جنہوں نے آپ سے دستبرداری خلافت کا مطالبہ کیا۔ اس صورت میں وہ خود اس مطالبے کی تائید کیسے کرسکتی تھیں۔

آخری اعتراض

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے جو بظاہر بڑا وزنی ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت عائشہؓ دیکھ رہی تھیں کہ خلیفۂ اسلام اس وقت سخت مشکلات میں گھرا ہوا ہے لوگ اس کی جان کے درپے ہو رہے ہیں انہیں اس طرف متوجہ بھی کیا گیا کہ ان نازک حالات میں وہ مکہ کا سفر ملتوی کردیں اور مسلمانوں پر ان کا جو اثر ہے اسے استعمال کرکے حضرت عثمانؓ کی جان بچانے کی کوشش کریں تو انہوں نے اس درخواست کو کیوں رد کردیا اور حالات سے واقف ہوتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر مکہ کیوں چلی گئیں۔ دراصل یہ اعتراض بھی کم فہمی کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ میں جو کچھ ہو رہا تھا حضرت عائشہؓ اس سے بے خبر نہ تھیں۔ انہیں پل پل کی خبر مل رہی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسی شخصیتیں موجود ہیں جن کی ساری عمر شمشیر زنی کے

جوہر دکھاتے ہوئے گذری اور جنہوں نے بڑی بڑی مہموں کو چشم زدن میں سر کر لیا۔ جن کے سامنے بڑے بڑے سرکش اور بہادر سرنگوں ہو گئے۔ جن کو امت میں بڑی عزت و تکریم حاصل ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ سب مل کر بھی فتنے پر قابو نہ پا سکے اور نہ باغی ان کے وعظ و تلقین سے راہِ راست پر آ سکے۔ اس صورت میں وہ بغیر کسی قوت کے باغیوں کو ان کے عزائم سے کس طرح باز رکھ سکتی تھیں۔ جب ان لوگوں پر اتنے بڑے بڑے صحابہ کی تلقین کا جن کو قرآن جنّت کی بشارت دیتا ہے کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے بجا طور پر سوچا کہ ان کے سمجھانے بجھانے کا کیا اثر ہوگا۔ پھر وہ یہ واقعہ بھی سن چکی تھیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک محترم بیوی ام المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ حضرت عثمانؓ کے لئے کھانے کا کچھ سامان اور پانی لے کر روانہ ہوئیں تو راستے میں باغیوں نے آپ کو روک لیا اور اس خچر کو اتنا مارا کہ اس کا پالان ٹوٹ گیا اور حضرت امِّ حبیبہؓ گرتے گرتے بچیں۔ کیا ایک ام المومنین کی اس بے حرمتی کے بعد بھی حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی امداد کی جرأت کر سکتی تھیں اور کیا ان حالات میں اس امر کا خدشہ ہی نہیں بلکہ یقین نہ تھا کہ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا۔ اپنی عزت و آبرو بچانے کی حضرت عائشہؓ کے پاس سوائے اس

کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ وہ مدینہ سے چلی جائیں اور اگر ان کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے جاتے تو یہی معترض جو آج حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے اور حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ ان لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ اس الزام میں حضرت عائشہؓ کا دامن بھی ملوث کر لیتے اور کہتے کہ دیکھو ام المومنین مدینہ میں بیٹھی رہیں اور حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور کچھ نہیں تو ان پر حضرت عثمانؓ کی امداد سے پہلو تہی کا الزام ہی عائد کر دیتے ::

اختلافاتِ علیؓ و عائشہؓ

اختلافاتِ علیؓ و عائشہؓ

جس طرح بعض مورخین نے حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی داستانیں مشہور کی ہیں اور اس طرح یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ صحابہ باہم شیر و شکر نہ تھے بلکہ ہوا و ہوس کے بندے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور اقتدار کے بھوکے تھے۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کو بھی ایک دوسرے کا حریف اور دشمن ثابت کرنے کے لئے بہت سی جعلی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کر دیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے تعصب کی بنا پر یہ روایتیں مشہور کیں ہمارے بعض قدیم مورخوں نے انہیں قبول کر لیا۔ ان روایتوں کے مشہور ہونے کا اصل سبب تو حضرت عائشہؓ اور

حضرت علیؓ کی جنگ ہے۔ جب مورخین نے دیکھا کہ اسلام کی یہ دو بڑی شخصیتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں اور ایسی زبردست جنگ ہوئی کہ ہزاروں گردنیں شانوں سے جدا ہوگئیں تو انہوں نے اصول تاریخ نویسی کے مطابق وہ اسباب تلاش کرنے چاہے جن کی وجہ سے یہ ہولناک جنگ برپا ہوئی۔ اس تلاش میں انہیں ان روایتوں سے بڑی مدد ملی جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے اختلافات کے متعلق مشہور کی گئی تھیں۔ چونکہ مواد موجود تھا اس لئے انہوں نے اسے بلا تکلف استعمال کر لیا اور اس طرح ایک عمارت کھڑی کر دی۔ اس عمارت میں اتنی بھول بھلیاں ہیں کہ ایک غیر جانبدار مورخ کے لئے صحیح راستہ تلاش کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے تاہم حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے اختلافات کی نوعیت اور ان کی اصل حقیقت معلوم کرنا ناممکن بھی نہیں ہے۔

اختلافات کی نوعیت

ہمارے خیال میں ان اختلافات کو شہرت دینے والے بلکہ اختلافات سے متعلق روایات وضع کرنے والے لوگ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو خلفائے ثلاثہ (حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ)

کا مخالف ہے اور صرف حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق سمجھتا ہے۔ چونکہ حضرت عائشہؓ غلط فہمی کی وجہ سے حضرت علیؓ کے مقابلے پر آئیں اور دونوں میں خوں ریز جنگ ہوئی اس لئے خلفائے ثلاثہؓ کا مخالف گروہ حضرت عائشہؓ سے ناراض ہوگیا اور اس نے پوری کوشش کی کہ ام المومنین کو جہاں تک ہوسکے رسوا کیا جائے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے خلاف بدظنی سے کام لینے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کی۔ اس گروہ کی ساری مخالفت مفروضات پر مبنی ہے مثلاً کہا گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے اولاد ہوئی لیکن حضرت عائشہؓ حضورؐ کے لئے کوئی اولاد پیدا کرنے سے قاصر رہیں۔ انہیں یہ غم کھائے جاتا تھا جب وہ دیکھتی تھیں کہ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں اور ان سے حسنؓ و حسینؓ پیدا ہوئے اس طرح حضرت علیؓ اس نسل کے باپ بنے جو حضورؐ سے چلی تو انہیں سخت قلق ہوتا اور وہ یہ خیال کرتیں کہ علیؓ مجھ سے سبقت لے گئے اور میں آل رسولؐ کی ماں نہ بن سکی۔ اس طرح ان کے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف حسد کا مادہ پیدا ہوگیا وہ دیکھتی تھیں کہ حضورؐ حضرت

فاطمہؓ سے جو حضرت عائشہؓ کی سوکن (حضرت خدیجہؓ) کی بیٹی تھیں غیر معمولی محبت کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو بھی بے حد چاہتے ہیں تو ان کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی کیونکہ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی جسے حضورؐ چاہتے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ کی سوتیلی بیٹی تھیں اور عام طور سے مائیں سوتیلی اولاد سے وہ سلوک نہیں کرتیں جو حقیقی بیٹی سے کرتی ہیں، اسی لئے حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے اور حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ سے رنجیدہ رہتی تھیں اور دونوں رسول اللہؐ سے ایک دوسرے کی شکایتیں کرتی تھیں۔ چونکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے اس لئے وہ بھی اس آویزش میں پھنس گئے اور انہیں بھی حضرت فاطمہؓ کا ساتھ دینے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی ناراضگی کا نشانہ بننا پڑا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی ناراضگی کا ایک سبب اور بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے ان کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ امر حضرت عائشہؓ کو نہایت شاق گذرا کہ جس شخص کو وہ اپنا حریف سمجھتی تھیں اور جس سے ان کی شدید مخالفت تھی اس نے نہ صرف انکے خاندان میں بلکہ انکی

سوتیلی والدہ سے نکاح کر لیا۔

اختلافات پر محاکمہ

اختلافات کی ان تمام نوعیتوں پر گہری نظر ڈالنے کے بعد ایک صاحبِ عقل و فہم ایک منٹ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی ان میں سے کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا کیونکہ یہ سارے امور محض قیاس پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے کسی بات کی صداقت کے لئے کسی ایک مستند کتاب سے کوئی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اختلاف ہمیشہ اس بات سے پیدا ہوتا ہے جو کسی شخص کے اختیار میں ہو اور جس میں اس کے ارادے کو دخل ہو۔ اگر حضرت علیؓ کے ذریعہ سے آں حضرتؐ کی نسل چلی اور حضرت عائشہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہ پیدا نہ ہوئی تو اس میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں میں سے کس کے اختیار کو دخل تھا؟ یہ تو اللہ تعالےٰ کے کام ہیں اور اس کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ جیسی عقیل و فہیم خاتون سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ ایک بے اصل چیز کو اختلاف کی بنیاد بنا کر حضرت علیؓ کے خلاف اپنے دل میں بغض و عناد پیدا کر لیتیں۔

جہاں تک حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کے مابین رنجش کا سوال ہے ہم دنیا کے تمام مورخین کو چیلنج کرتے ہیں کہ کسی معتبر و مستند کتاب سے ایک روایت بھی ایسی پیش کر دیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ سوتیلی ماں یا سوتیلی بیٹی ہونے کے احساس نے ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور اس دشمنی نے حضرت عائشہ کو حضرت علیؓ کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور کیا۔

اسی طرح اختلاف کی یہ وجہ بھی معقولیت سے قطعاً خالی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی سوتیلی والدہ سے نکاح کر لیا تھا؟ سوال یہ ہے کہ مورخین کو کس طرح معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے اس اقدام سے حضرت عائشہؓ ناراض ہو گئی تھیں۔ کیا انہوں نے اپنی کسی سہیلی کسی صحابی یا کسی رشتہ دار خاتون سے اس ناراضگی کا اظہار کیا ---؟ پھر مورخین تک ناراضگی کی یہ روایت کن ذرائع سے پہنچی۔ حقیقت یہ ہے کہ سب مفروضے ہیں، قیاس ہیں، مورخین کے اپنے ذہن کے وسوسے ہیں تاریخ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دور کی کوڑی لانے کی کوشش میں اکثر اس قسم کی حماقتیں سرزد ہو جایا کرتی ہیں اور یہ حماقتیں بعض اوقات قباحت بن جاتی ہیں اور خصوصاً تاریخ میں اس قسم کی حماقتوں سے بڑی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اور جب ان معاملات کی تہہ میں

تعصب بھی کارفرما ہو تو صورت حال بے حد نازک ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے معاملے میں ہوا۔

واقعۂ افک اور حضرت علیؓ

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی کشیدگی کے سلسلے میں یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ پر ایک ناپاک الزام لگایا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے لئے دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؓ نے عرض کیا کہ عائشہؓ کی حیثیت آپ کی جوتی کے تسمے سے زیادہ نہیں ہے یعنی جب وہ ٹوٹ جائے یا خراب ہو جائے تو نکال کر پھینک دیا جاتا ہے اور دوسرا ڈال لیا جاتا ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ کی اس رائے کا علم ہوا تو انہیں نہایت شاق گذرا کیونکہ حضرت علیؓ کے ان الفاظ سے حضرت عائشہؓ کی ہتک کا پہلو نکلتا تھا اور اس سے منافقین کے اس ناپاک الزام کی تائید ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کو اس واقعے کا سخت رنج ہوا اور

مورخین کے بقول اسی روز سے وہ حضرت علیؓ کی دشمن ہو گئیں اسی دشمنی کا نتیجہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف تلوار لے کر میدان میں آگئیں تاکہ ان سے اپنی ہتک کا بدلہ لے سکیں۔

ڈوزی کا الزام

یورپ کے ایک متعصب مورخ ڈوزی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ :-

"(حضرت) عائشہؓ کو (حضرت) علیؓ سے ویسا ہی بغض تھا جیسا کہ ایک پاک دامن عورت کو اپنے اوپر الزام لگانے والے مرد سے ہوتا ہے[1]"

اس مورخ کے خیال میں بھی حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو فوج کشی کی اس میں آپؓ کے اسی بغض کو دخل تھا۔

ہمیں نہ تو اس متعصب مورخ (ڈوزی) سے کوئی شکایت ہے اور نہ اس روایت کے واضعین پر اتنا تعجب ہے جتنا تعجب ان سادہ لوح مورخوں پر ہے جو اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر حضرت علیؓ کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے یہ کمزور استدلال

[1] "اسپنش اسلام" از پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی

اختیار کرتے ہیں کہ دراصل حضرت علیؓ نے حضورؐ کو ملول و رنجیدہ دیکھ کر اور آپ کے قلب سے رنج والم کے اثرات زائل کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے کہ "یا رسول اللہ آپ کے لئے عورتوں کی کیا کمی ہے؟" اس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ اگر منافقوں کے اس اعتراض کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کا دامن داغدار ہو گیا ہے اور وہ آپ کے حرم میں رہنے کے قابل نہیں رہی ہیں تو آپ انہیں طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی کر لیجئے لیکن اس کمزور استدلال سے حضرت علیؓ کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی ہے بلکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جیسی پاکباز اور عصمت مآب خاتون پر جب ایسا ناپاک اور ناقابلِ اعتبار الزام لگا تھا تو حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت عائشہؓ کی خادمہ کی طرح حضرت علیؓ نے حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا کہ خدا کی پناہ! حضرت عائشہؓ اور یہ ناپاک الزام؟ میں ایک سکنڈ کے لئے بھی ان کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا وہ مثل خالص سونے کے ہیں لیکن انہوں نے راویوں کے بقول وہ الفاظ کہے جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ حضرت عائشہؓ پر جو الزام لگایا گیا ہے اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے یا کم از کم حضرت علیؓ کی نگاہ میں حضرت عائشہؓ کا کیرکٹر مشکوک ہو گیا تھا اگر ایسا تھا تو حضرت عائشہؓ کی رنجش بجا تھی۔ حضرت عائشہؓ

تو بہت اونچی خاتون تھیں اگر کسی معمولی عورت پر بھی اس قسم کا الزام لگایا جائے یا اس کی تائید کی جائے تو وہ غم و غصہ سے بے قابو ہو جاتی ہے اور چاہتی ہے کہ الزام لگانے والے کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دے لیکن جب ہم اس روایت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ یہ روایت حضرت علیؓ کا دامن داغدار ثابت کرنے کے لئے وضع کی گئی اور اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان مبینہ رنجش والے واقعات کو تقویت پہنچائی جائے۔ اور ان دونوں بزرگ ہستیوں میں اختلافات پیدا کر کے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا جائے۔ دوسرے اس روایت کے واضعین کے پیش نظر قرآن کریم کی یہ آیت بھی تھی جس میں اللہ تعالیٰ حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں کے متعلق فرماتا ہے کہ :-

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (سورۂ نور)

یعنی ان لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے جنہوں نے اس افترا میں حصہ لیا۔

حضرت علیؓ کی بریّت

حضرت علیؓ کا دامن اس واقعے میں ملوث کرنے والے لوگوں کا

مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ کو اس آیت کے تحت لا کر نعوذ باللہ عذاب کا مستحق قرار دیا جائے لیکن جب ہم بخاری کی مندرجہ ذیل روایت پڑھتے ہیں تو حضرت علیؓ کی نسبت الزام لگانے والوں کے عزائم کا سارا تار و پود بکھر جاتا ہے وہ روایت یہ ہے کہ :-

کان علی مسلمًا فی شانھا[1] - یعنی حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے متعلق اس ناپاک الزام میں ہرگز شریک نہیں ہیں بلکہ ان کا دامن محفوظ ہے یہ تو حدیث اور تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر یہ ناپاک الزام لگایا ان میں صرف چار افراد شریک تھے ایک منافقین مدینہ کا سردار عبداللہ بن ابی سلول اور دوسرے حسان[2] بن ثابت، تیسری حمنہ بنت جحش اور چوتھے مسطح بن اثاثہ۔ ان چار افراد کے علاوہ تاریخ یا حدیث سے کسی پانچویں شخص کا نام ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علیؓ کو الزام لگانے والوں میں کسی محدث یا مورخ نے شامل نہیں کیا۔ ہاں ان سے صرف یہ الفاظ منسوب کئے کہ "یا رسول اللہ آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ بخاری کی مندرجہ بالا روایت سے

[1] صحیح بخاری باب افک۔ [2] حضرت حسان بن ثابت کے متعلق بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس واقعے میں شریک تھے مگر راقم الحروف کا ذوق اسے باور

(باقی ص۱۲۶ کے نیچے)

ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ الفاظ بھی نہیں کہے اور اس واقعے میں سرے سے حصہ نہیں لیا۔ ورنہ امام بخاریؒ کو یہ روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ حضرت علیؓ اس واقعے میں محفوظ رہے کیونکہ الزام لگانے والوں میں تو وہ پہلے بھی شامل نہیں تھے ظاہر ہے کہ اس روایت کا مقصد حضرت علیؓ کے ان الفاظ کی تردید کرنا ہے جن میں آپؓ نے حضورؐ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ عائشہؓ کو طلاق دیدیں آپؐ کے لئے بہت عورتیں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) نہیں کرتا کہ وہ شخص جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق ہو جس نے اپنی زندگی حضورؐ کی مدح کیلئے وقف کردی ہو اور جس نے حضورؐ اقدس کی شان میں ایسے بلند پایہ قصائد لکھے ہوں جن کا جواب مشکل ہی سے پیدا ہوگا وہ اس فتنے میں کیسے حصہ لے سکتا ہے جس کے نتیجے میں حضور کی عظمت پر بھی حرف آتا ہو چنانچہ راقم اس غور و فکر میں تھا کہ اس کی نظر سے حضرت حسانؓ بن ثابت کا ایک قصیدہ گذرا جس میں آپ حضرت عائشہؓ کی تعریف کرتے ہوئے واقعہ افک کا بھی ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

فان کان ماقد قیل عنی قلتہ فلا رفعت سوطی الی انا ملی

"کہا جاتا ہے کہ میں نے ان (حضرت عائشہؓ) کی شان میں کوئی گستاخانہ لفظ کہا اگر یہ سچ ہے تو خدا کرے کہ میرا ایک ہاتھ بالکل نکما ہو جائے" (منقول از رحمۃ اللعالمین صفحہ ۱۹۷ جلد دوم) اس شعر میں آپ نے صاف طور پہ واقعہ افک میں اپنی شرکت کا انکار کیا ہے اور اس امر کی تردید کی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ پر کوئی ناپاک الزام لگایا بعض اور روایتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت حسانؓ بن ثابت اس واقع میں شریک تھے یا نہیں گویا مورخوں اور تذکرہ نویسوں کا اس پر اتفاق نہیں ہے اور جب کسی روایت میں اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ صحت کے مرتبہ سے گر جاتی ہے پھر جب خود حضرت حسانؓ اس واقعے سے اپنی برأت ظاہر کر رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان پر غلط بیانی کا الزام عائد کریں۔ (مولف)

حضرت عائشہؓ کی گواہی

پھر ایک بات اور بھی مدنظر رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ اگر حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے متعلق مندرجہ بالا الفاظ کہے ہوتے تو حضرت عائشہؓ کبھی نہ کبھی شکوہ اور شکایت ہی کے رنگ میں سہی کسی سے تو اس کا اظہار کرتیں لیکن برعکس اس کے آپ نے حضرت علیؓ کا ذکر ہمیشہ تعریف کے رنگ میں کیا۔ یہاں تک کہ عین اس وقت جب آپ کو جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں شکست ہوئی اور شکست کے بعد آپ مدینہ روانہ ہونے لگیں تو آپ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ:۔

"میرے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف کبھی کوئی کدورت نہیں رہی اور نہ اب ان کے خلاف عناد کا کوئی جذبہ ہے البتہ ساس اور داماد میں کبھی کبھار جو معمولی معمولی باتیں ہو جاتی ہیں ان کا میں انکار نہیں کرتی"[1]

حضرت عائشہؓ کے اس بیان سے حضرت علیؓ کے ان الفاظ کی پر زور تردید ہو جاتی ہے جو انہوں نے بعض راویوں کے بقول حضورؐ سے حضرت عائشہؓ کو طلاق دینے کے بارے میں کہے تھے کیونکہ یہ ناممکن

[1] تاریخ طبری جلد ۶

بات ہے کہ ایک شخص کسی پاکباز عورت پر لگائے جانے والے الزام کی تائید کرتے ہوئے اس کے شوہر کو مشورہ دے کہ اسے طلاق دے دو اور اس عورت کا دل اس کے خلاف غم و غصہ کے جذبات سے نہ بھر جائے۔ یہ ایک فطری امر ہے اور دنیا کی کوئی عورت ایسے مرد کو معاف نہیں کر سکتی لیکن یہاں تو حضرت عائشہؓ صاف الفاظ میں کہہ رہی ہیں کہ میرے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف کبھی کدورت رہی ہی نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضورؐ کو اس قسم کا کوئی مشورہ نہیں دیا یہ بالکل من گھڑت روایت ہے جس میں صداقت کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔

پھر حضرت عائشہؓ کے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلافات کی جو دوسری داستانیں مشہور ہیں وہ بھی غلط ہیں اور جن روایتوں کو ان دونوں بزرگ ہستیوں کی آویزش کا سبب بتایا جاتا ہے ان میں بھی صداقت کا کوئی عنصر نہیں مثلاً حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ سے نکاح ہو جانا اور ان سے رسولؐ اللہ کی نسل چلنا۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اختلافات کا اتنا شدت اختیار کرنا کہ دونوں ایک دوسرے کی دشمن ہو گئیں یا حضرت علیؓ کا حضرت عائشہؓ کی سوتیلی والدہ سے نکاح کر لینا اور اس

نکاح سے حضرت عائشہؓ کا حضرت علیؓ سے دل برداشتہ ہو جانا۔

اگر ان اسباب کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف نفرت یا بغض و حسد کا جذبہ پیدا ہو جاتا اور اس جذبے میں اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ وہ جنگ کا سبب بن جاتا تو حضرت عائشہؓ مجمع عام میں کبھی یہ نہ کہتیں کہ "میرے دل میں علیؓ کے خلاف نہ پہلے کوئی کدورت تھی اور نہ اب ہے"۔ کم از کم کوئی مسلمان حضرت عائشہؓ پر ریاکاری اور منافقت کا الزام نہیں لگا سکتا بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ کوئی منصف مزاج غیر مسلم بھی جس نے حضرت عائشہؓ کی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ان کے بارے میں ایسی رائے نہیں دے سکتا۔

چند اور شہادتیں

پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی مستند کتابوں میں کچھ اور ایسی روائتیں موجود ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اختلافات کی تردید کرتی ہیں تو ہمیں اپنے سادہ لوح مورخوں پر اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے ان بزرگ ہستیوں میں ہونے والی جنگ کو ان کے مفروضہ اختلافات کا سبب کیسے قرار دیا۔ چنانچہ

تاریخ میں آتا ہے کہ :-

"ایک شخص نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ سب سے زیادہ محبت کس سے فرماتے تھے تو آپ نے جواب دیا کہ فاطمہ رض سے، پھر اس نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا تو حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ فاطمہ رض کے شوہر جو بہت عبادت گذار اور کثرت سے روزے رکھنے والے تھے" [1]

ایک بہت بڑے مورخ اور محدث کا بیان ہے کہ جب حضرت علی رض کسی سفر سے واپس آتے اور حضرت عائشہ رض کو اس کی اطلاع ہوتی تو آپ انہیں اپنے یہاں مدعو کرتیں اور ان کی اچھے کھانوں سے تواضع کرتیں [2]

کیا کوئی شخص اپنے دشمن اور ایسے شدید دشمن کی جو اس کی عزت و آبرو کے درپے رہ چکا ہو ایسی پذیرائی کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ایسی محبت کا سلوک روا رکھ سکتا ہے؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رض اور حضرت علی رض دونوں باہم شیر و شکر تھے

[1] ترمذی باب مناقب

[2] مسند احمد ابن حنبل ؒ جلد ششم ص ۱۵۵

اور دونوں میں کوئی رنجش نہیں تھی تو ان دونوں کے درمیان تاریخ اسلام کی ایسی ہولناک جنگ کیوں ہوئی؟ آئندہ ابواب میں ہم اس کا جواب دیں گے اور اس جنگ کی تمام تفاصیل بیان کریں گے ۔

حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی

حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی

حضرت عائشہؓ کے اسبابِ خروج

حضرت عائشہؓ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد جب مدینہ روانہ ہوئیں تو اس وقت تک آپ وہاں کے حالات سے بے خبر تھیں۔ ابھی تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ بنوامیہ کی ایک جماعت آپ کو ملی جو باغیوں کے خوف سے اپنی جان بچا کر بھاگی تھی۔ اس جماعت نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ حضرت عثمانؓ کو بے یار و مددگار ہونے کی حالت میں نہایت سفاکی سے قتل کر دیا گیا ہے اور مدینہ پر باغیوں اور مفسدوں کا تسلط ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں

ام المومنینؓ کا مدینہ جانا کسی طرح مناسب نہ تھا چنانچہ آپ مکہ
واپس آگئیں۔ ایک روایت کے مطابق راستے ہی میں اور دوسری
روایت کے مطابق مکہ پہنچ کر آپ کی ملاقات حضرات طلحہ و زبیرؓ سے
ہوئی۔ ان حضرات سے جو گفتگو ہوئی اس سے آپ اسی نتیجے پر پہنچیں
کہ مدینہ کے حالات بڑے خراب ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو بے گناہ
قتل کیا گیا ہے اور حضرت علیؓ کی خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوئی ہے
چونکہ اس وقت تک حضرت علیؓ کی بیعت صرف اہل مدینہ نے کی
تھی اور ابھی سارے عالمِ اسلام نے آپ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا
اس لیئے ان کے خلاف خروج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
آپ کا مقصد اصلاح کے سوائے اور کچھ نہ تھا اور آپ صرف یہ
چاہتی تھیں کہ مدینہ پر جو مفسد لوگ مسلط ہیں انہیں وہاں سے نکال دیا
جائے اور جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھایا اور ان کے
قتل میں حصہ لیا ہے انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی فرد یا
جماعت کسی خلیفہ کے خلاف ایسی جرائت نہ کر سکے۔ بدقسمتی سے آپ
کے ارد گرد جو عنصر جمع ہو گیا تھا اس میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے علاوہ اور
کسی کا مقصد اصلاح نہیں تھا ان لوگوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل
تھی جو حضرت علیؓ کے مخالف تھے اور صرف یہ چاہتے تھے کہ خلافت

بنو امیہ کے خاندان سے نکل کر بنو ہاشم میں نہ چلی جائے۔ ان میں بصرہ اور
یمن کے گورنر عبداللہ بن عامر اور یعلی بن امیہ بھی شامل
تھے جنہیں حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا اور یہ اپنی معزولی کا انتقام لینے
کے لیئے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان
لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس معاملے کا تاریک پہلو پیش کیا
واقعات کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور حضرت عائشہؓ کو سمجھایا کہ آپ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی ہیں۔ عالمِ
اسلام میں آپ کو قدر و منزلت حاصل ہے اس حیثیت سے آپ
کا فرض ہے کہ آپ امت کو اس فتنے سے بچائیں۔ ان لوگوں نے حضرت
عائشہؓ کو یقین دلایا کہ جب آپؓ مسلمانوں کو اصلاح کی دعوت دینگی تو لوگ
آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جوق در جوق آپ کے جھنڈے تلے
جمع ہو جائیں گے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اس مشورے کو قبول کر لیا۔
اس مشورے کو قبول کرنے میں آپ کے اس خیال کو بڑا دخل تھا کہ
حضرت علیؓ باغیوں اور مفسدوں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں اس
لیئے انہیں اس مفسد گروہ سے نجات دلائی جائے اور پھر خلافت کا
معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے طے کیا جائے۔ ہمارا خیال ہے
کہ اگر حضرت عائشہؓ کو صحیح اطلاعات دی جاتیں اور انہیں بتایا جاتا کہ

حضرت علیؓ اکابر صحابہؓ مدینہ کے معززین اور عام شہریوں کی تائید سے خلیفہ مقرر ہوئے ہیں۔ مدینہ میں باغی عنصر ضرور موجود ہے لیکن وہ حضرت علیؓ کا پوری طرح تابع فرمان ہو چکا ہے اور اپنی سرکشی اور فتنہ پروری سے باز آچکا ہے۔ مدینہ کے حالات معمول پر آچکے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کے خلاف کبھی خروج نہ کرتیں۔ اگر انہیں یہ اطلاع بھی مل جاتی کہ اس دوران میں حالات میں بڑا تغیر پیدا ہو چکا ہے اور عراق، حجاز، ایران، خراسان اور مصر وغیرہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کر لی گئی ہے تو شاید بصرہ پہنچ کر وہ وہاں سے الٹے پیروں واپس چلی جاتیں مگر افسوس کہ انہیں تاریکی میں رکھا گیا اس لئے وہ خروج کی تیاریاں کرنے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کی پہلی تقریر

خروج کا فیصلہ کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ نے اہل مکہ کو جمع کیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک تقریر کی۔ یہ آپ کی سیاسی زندگی کی پہلی تقریر تھی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا کہ۔

" اے لوگو! مختلف شہروں سے آئے ہوئے مفسد لوگوں نے مدینہ کے چند غداروں کی امداد سے عثمانؓ کو ازراہِ ظلم

قتل کر دیا۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت عثمانؓ کے خلاف الزام تراشی کی مگر جب ان الزامات کا ثبوت نہ دے سکے تو ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور وہ خون جسے اللہ تعالے نے حرام قرار دیا تھا اسے حلال کر دیا۔ حرمتِ مدینہ اور ذوالحجہ کے تقدس کو پامال کر دیا۔ مسلمانوں کا مال جو ان پر حرام تھا انہوں نے لوٹ لیا۔ بخدا عثمانؓ کی ایک انگلی بھی ان مفسدوں کی ساری کائنات سے کہیں زیادہ قابلِ احترام ہے اس فتنے کے ختم ہونے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دیتے پس تم لوگوں کو چاہیئے کہ قاتلوں سے انتقام لو تاکہ مظلوم خلیفہ کا خون ضائع نہ ہونے پائے اور اسلام کی عزت بحال ہو جائے۔"

حضرت عائشہؓ کی اس تقریر نے حاضرین میں ایک ولولۂ تازہ پیدا کر دیا اور وہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدینہ چل کر ان مفسدوں سے جنگ کی جائے مگر یہ خیال کر کے کہ مدینہ میں مفسدوں کو بڑی طاقت حاصل ہے وہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔

بصرہ کو روانگی

اس التوا کے بعد باہمی مشورہ کیا گیا کہ کس طرف کا رخ کرنا چاہیئے بعض لوگوں نے رائے دی کہ شام چلنا چاہیئے کیونکہ شام کے گورنر امیر معاویہؓ باغی ہو چکے تھے اور انہوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مفہوم کے خطوط بھی لکھے تھے کہ حضرت عثمانؓ بے گناہ قتل کئے گئے ہیں آپ لوگ ان کا قصاص لینے کے لئے تیار ہو جائیے۔ ان خطوط میں امیر معاویہؓ نے ان حضرات کو اپنی امداد کا بھی یقین دلایا تھا مگر شام جانے کا فیصلہ بھی اس خیال سے نہ ہو سکا کہ وہاں امیر معاویہؓ موجود ہیں وہ خود مفسدوں سے قصاص لینے کے لئے کافی ہیں۔ آخر بہت غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ بصرہ چلنا چاہیئے کیونکہ وہاں طلحہؓ اور زبیرؓ کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی — اس فیصلے کے بعد ایک شخص نے مکہ میں منادی کی کہ :-

"امّ المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے بصرہ جا رہے ہیں جو شخص مفسدوں سے جنگ کر کے امیر المومنین کی مظلومانہ شہادت کا انتقام لینا چاہتا ہو مگر اس کے پاس ہتھیار نہ ہوں وہ ہمارے لشکر میں شامل ہو جائے ہم اسے ہر قسم کا سامانِ جنگ دیں گے۔"

تاریخوں میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر مشہور ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو معزول کر کے نئے گورنر مقرر کئے ہیں تو بصرہ اور یمن کے عامل اپنے اپنے علاقوں کے بیت المال میں جمع شدہ رقوم، گھوڑے اور ہتھیار لے کر مکہ آ گئے یہ رقوم اور سامانِ جنگ بصرہ جانے والے لشکر کو منظم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ اس طرح کئی ہزار کا مسلح لشکر حضرت عائشہؓ کی قیادت میں بصرہ روانہ ہو گیا۔

امہات المومنین کا حضرت عائشہؓ کو روکنا

روانگی سے قبل حضرت عائشہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ازواج مطہرات ام المومنین حضرت حفصہؓ (بنت عمرؓ بن الخطاب) اور ام المومنین حضرت امِّ سلمہؓ کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر ان دونوں نے یہ دعوت قبول نہ کی بلکہ حضرت عائشہؓ کو فوج کشی سے منع کیا۔ ایک روایت میں آتا ہے

کہ جب ام المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے منع کرنے کے باوجود حضرت عائشہؓ نہ مانیں تو انہوں نے حضرت علیؓ کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ :-

"طلحہؓ و زبیرؓ کوشش کر رہے ہیں کہ عائشہؓ کو اپنے ہمراہ بصرے لے جائیں۔ بصرہ کا سابق گورنر عبداللہ ابن عامر بھی ان کے ساتھ ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ عثمانؓ کو مظلومانہ قتل کیا گیا ہے اس لئے یہ ان کی شہادت کا انتقام لینے کا تہیہ کر چکے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں حکم دیا ہے کہ اے نبیؐ کی بیویو! اپنے گھروں میں بیٹھو (یعنی فتنہ و فساد میں حصہ مت لو) اس لئے میں مجبور ہوں ورنہ آپ کی امداد اور حمایت کے لئے میدان میں نکل آتی۔ اب اتنا ہی کر سکتی ہوں کہ یہاں کے حالات کی آپ کو اطلاع دے دوں"[1]

جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو امہات المومنین اور مکہ کی معزز عورتیں حضرت عائشہؓ کے ساتھ کچھ دور تک آئیں اور جب حضرت عائشہؓ رخصت ہونے لگیں تو ہر طرف گریہ و زاری شروع ہو گئی کہتے

[1] کتاب الجمل از حشام محمد بن الکلبی

ہیں کہ اس شدت سے آہ و زاری کی گئی کہ اس روز کا نام ہی یوم گریہ پڑ گیا۔

الحوأب کے کتے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک غلط روایت کی تردید کر دی جائے جو بڑی شد و مد سے پیش کی جاتی ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ کہ حضرت عائشہؓ کو بدنام کیا جائے اور رسولؐ اللہ کی نظر میں بھی ان کی پوزیشن کو مشکوک بنایا جائے بلکہ انہیں رسولؐ اللہ کی ایک پیش گوئی کا مصداق بنا کر مجرم ٹھہرایا جائے۔ روایت یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کا لشکر مکہ سے روانہ ہو کر بصرے کی طرف جانے لگا تو راستے میں ایک مقام آیا جس کا نام الحوأب تھا۔ یہاں آپ کے لشکر پر کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرا اونٹ بٹھا دو میں آگے نہیں بڑھوں گی۔ مجھے یاد آ گیا کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ معلوم نہیں تم میں سے کس پر الحوأب کے کتے بھونکیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ مجبوراً قافلہ رک گیا اور حضرت عائشہؓ اونٹ پر سے اتر پڑیں۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اس مقام کے پچاس آدمیوں کو رشوت دے کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے شہادت

دی کہ الحواُب اس مقام کا نام نہیں ہے وہ تو پیچھے گذر چکا ہے۔ اس طرح راویوں نے ایک تیر سے تین شکار کئے۔ اوّل حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کی ان بیویوں میں سے ثابت کیا جس پر آپؐ کے ارشاد کے مطابق کتّے بھونکنے والے تھے۔ بالفاظ دیگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے اس واقعے کی پیش گوئی کر کے حضرت عائشہؓ کے اس اقدام کی مذمت کر دی تھی۔ دوم حضرت طلحہؓ اور سوم حضرت زبیرؓ کو رشوت دے کر لوگوں کو خریدنے والا اُن سے جھوٹی گواہیاں دلوانے والا اور چالباز ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ہم اس روایت کا تجزیہ کرتے ہیں تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایت ہے اس روایت کے پانچ راوی بیان کئے جاتے ہیں۔ پہلا اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری، دوسرا علی بن عابس الارزق، تیسرا ابوالخطاب الہجری، چوتھا صفوان بن قبیصہ الاحمسی، پانچواں العرنی صاحب الجمل

کسی روایت کے متعلق یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ غلط ہے یا صحیح ہمارے پاس ایک ہی قابل اعتماد ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ ہم ان لوگوں کے حافظے اور اخلاق و عادات یا سیرت و کردار کا جائزہ لیں جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ راوی بڑے متقی پارسا صحیح الدماغ اور قوی حافظے کے

لوگ تھے تو ان کی روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر برعکس اس کے یہ ثابت ہو کہ یہ جھوٹے فاسق و فاجر یا کمزور حافظے کے لوگ تھے تو ان کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی۔ اب اس اصول پر ہم اس روایت کے راویوں کو پرکھتے ہیں۔

ان میں سے پہلا راوی اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے جس نے یہ روایت سن کر دوسروں سے بیان کی۔ لیکن یہ پہلا راوی ہی انتہائی ناقابل اعتبار ہے چنانچہ اسماء الرجال کے مشہور ماہر حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت غالی شیعہ اور فاسق تھا۔ ایسا فاسق تھا کہ صحابہؓ کبار کو گالیاں دیا کرتا تھا[1]

ظاہر ہے کہ ایسا راوی جو فاسق ہو اور صحابہ کو گالیاں دیتا ہو یہ اس سے توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے کسی مدِمقابل کے بارے میں صحیح بات بیان کرے گا۔ ہمیں اس کے شیعہ ہونے پر اعتراض نہیں ہے شیعہ ہو کر بھی آدمی صحیح بات بیان کر سکتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جو کھلے بندوں صحابہ کو گالیاں دیتا اور ایک فریق کا جانبدار ہے اس سے فریق مقابل کے بارے میں راست گوئی کی توقع کرنا غلط ہے۔

ان میں سے دوسرا راوی علی بن عابس الارزق محدّث نسائی کے

[1] میزان الاعتدال جلد اوّل ص ۱۱۷

بقول ضعیف تھا۔ تیسرے راوی ابو الخطاب البجرہ کو علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ضعیف قرار دیا ہے[1]۔ چوتھے راوی صفوان بن قبیصہ کے متعلق ائمہ فنِ رجال نے لکھا ہے کہ یہ مجہول[2] تھا۔

آخری راوی کے مستند ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے صاحب الجمل یعنی اونٹ والا لکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس راوی کا نام تک معلوم نہ ہو اس کے متعلق یہ معلوم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے باپ کا کیا نام تھا۔ یہ کس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی علمی اور ذہنی سطح کیا تھی۔ اس کا کردار کیا تھا۔ اور جب تک کسی راوی کا نام۔ اس کے باپ کا نام۔ اس کے کردار، اس کے حافظے اس کی دماغی حالت اور علمی حیثیت کے متعلق مکمل معلومات نہ ہوں اس کی روایت کیونکر قبول کی جا سکتی ہے۔

اب اس تحقیق کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس روایت کے پانچ راوی ہیں جن میں سے ایک فاسق اور صحابہ کو گالیاں دینے والا ہے دو ضعیف ہیں یعنی یہ کمزور روایتیں بیان کرتے تھے۔ چوتھا مجہول ہے یعنی اس کے حالات اور اس کی سیرت و کردار اور حافظے کے متعلق کسی قسم کی شہادت نہیں ملتی کہ یہ کون شخص تھا اور کس قماش کا

[1] تقریب التہذیب [2] میزان الاعتدال ص ۴۶۷ جلد اول

آدمی تھا۔ پانچواں راوی ایسا ہے جس کا نام تک معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اونٹ والا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسی کمزور روایت کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی اور صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے کسی غالی عقیدت مند نے جو حضرت عائشہؓ کا شدید دشمن تھا یہ بے سر و پا روایت وضع کر لی تاکہ حضرت عائشہؓ کو بدنام کیا جا سکے۔

جب لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو مشہور صحابی حضرت سعیدؓ بن العاص اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات ہوئی اور ان دونوں حضرات نے حضرت عائشہؓ کو اس اقدام سے روکا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا چاہتی ہیں تو پہلے ان لوگوں کی گرفت کیجیے جو آپ کے لشکر میں موجود ہیں۔ اس سے آپ کی مراد مروان اور اس کے ان ساتھیوں سے تھی جنہوں نے اس فتنہ کو ہوا دی تھی اور اب حضرت عائشہؓ کو بھڑکا کر ایک اور خونریزی پر آمادہ کر رہے تھے مگر افسوس کہ ان بزرگوں کا مشورہ بھی رائیگاں گیا اور حضرت عائشہؓ بدستور بصرہ کی طرف بڑھتی رہیں۔

لشکرِ عائشہؓ میں اختلاف

بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں اختلاف شروع ہو گیا اور اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے علاوہ اس لشکر میں جتنے لوگ تھے وہ سب غرض کے بندے اور اقتدار کے بھوکے تھے۔ پہلے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اہل لشکر کو نماز کون پڑھائے۔ کچھ لوگ چاہتے تھے کہ حضرت طلحہؓ نماز پڑھائیں اور کچھ حضرت زبیرؓ کی امامت کے خواہشمند تھے۔ آخر حضرت عائشہؓ نے درمیان میں پڑ کر فیصلہ کیا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نماز نہیں پڑھائے گا۔ آپ نے ان دونوں کے صاحبزادوں محمد اور عبداللہ کو امامت کے لئے مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ یہ دونوں باری باری نماز پڑھائیں گے۔ اس کے بعد فتنہ پردازوں کے سردار مروان نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو خلیفہ کون ہو گا۔ بعض نے کہا طلحہؓ۔ بعض نے کہا زبیرؓ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ قصاص لینے جا رہے ہیں حضرت عثمانؓ کا اور خلیفہ بنائیں طلحہؓ اور زبیرؓ کو۔ کیوں نہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے کو خلیفہ بنایا جائے۔ جب اس اختلاف کی خبر

حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو ہوئی تو انہوں نے مروان کو سختی سے ڈانٹا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت سعیدؓ بن عاص حضرت عثمانؓ کے دو بیٹوں ابان اور ولید اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر اس لشکر سے الگ ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ کا سفیرانِ بصرہ سے خطاب

ابھی حضرت عائشہؓ راستہ ہی میں تھیں کہ والیٔ بصرہ عثمان بن حنیف کے جاسوسوں نے اسے اس لشکر کی آمد سے مطلع کر دیا۔ عثمان بن حنیف حضرت علیؓ کا طرفدار اور ان کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا جب حضرت عائشہؓ کا لشکر بصرہ سے کچھ دور "حفیر" کے مقام پر خیمہ زن ہوا تو عثمان بن حنیف نے ان کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے تاکہ ام المومنین سے ان کی تشریف آوری کے متعلق استفسار کیا جائے۔ جب یہ دونوں سفیر (عمران بن حصین و ابو الاسود دؤلی) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی آمد کا مقصد دریافت کیا تو حضرت عائشہؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"میں جس مرتبے کی عورت ہوں بخدا اس مرتبے کے لوگ حقیقت کو دل میں چھپا کر گھر سے نہیں نکلتے اور

نہ کسی ماں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے فرزندوں سے کوئی بات پوشیدہ رکھے گی حقیقت یہ ہے کہ بعض قبائل کے آوارہ مزاج لوگوں نے مدینہ پر یورش کی جو قابلِ احترام ہے۔ ان لوگوں نے وہاں فتنہ آرائی کی اور اب بھی وہاں فتنہ پرداز لوگ پناہ حاصل کئے ہوئے ہیں اس لئے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی لعنت کے حق دار ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کو۔ جو بے گناہ تھا قتل کر ڈالا۔ اس خون کو جو معصوم تھا حلال کر دیا۔ ان لوگوں کو لوٹ لیا جن کو لوٹنا ان کے لئے ناجائز تھا۔ ارضِ حرم کی ہتک کی ماہِ مقدس کی تقدیس کو پامال کر کے اس کی توہین کا ارتکاب کیا۔ بے گناہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کئے اور ان کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالا۔ جو لوگ انہیں اپنے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھے ان کے گھروں میں بہ جبر داخل ہو گئے۔ ان لوگوں سے نقصان ہی نقصان پہنچا فائدہ کسی کو نہ پہنچا۔ شریف اور نیک مسلمانوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ میں

ان مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر اس لئے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان مفسدوں سے امت کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ (اس کے بعد آپ نے یہ آیت "لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ" آخر تک پڑھی اور فرمایا کہ) پس میں اصلاح کی دعوت دینے کے لئے نکلی ہوں اور یہ وہ دعوت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و زن کو حکم دیا ہے۔

قاضیٔ بصرہ سے خط و کتابت

ایک روایت میں آتا ہے کہ بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے معززینِ شہر کے نام کچھ خطوط لکھے جن میں انہیں اپنی حمایت اور خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان میں سے ایک خط قاضی بصرہ کعبؓ بن ثور کے پاس بھی پہنچا یہ وہ شخص ہیں جن کی حق گوئی، جرأت علم و فضل اور اصابت رائے کی بنا پر حضرت عمرؓ نے انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اسی زمانے سے یہ اس عہدے پر فائز تھے۔ جب ان کے پاس یہ خط پہنچا تو انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ :-

"اگر حضرت عثمانؓ (خدانخواستہ) اس حالت میں قتل کیئے گئے ہیں کہ وہ ظالم تھے تو آپ لوگوں کو ان کے انتقام کے صلہ سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیئے اور اگر انہیں مظلوم ہونے کی حالت میں شہید کیا گیا ہے تو ان کے قصاص کا آپ لوگوں کو کوئی حق نہیں جب کہ ان کے اعزہ و اقارب موجود ہیں حضرت عثمانؓ کے واقعے کے متعلق تو وہی لوگ اختلاف یا اتفاق کر سکتے ہیں جو اس موقع پر وہاں موجود تھے جو لوگ سرے سے اس واقعہ کے وقت موجود ہی نہ تھے انہیں کیا معلوم کہ اصل معاملہ کیا تھا"۔

اسی قسم کے جوابات بصرہ کے دیگر معززین نے بھی دیئے۔ جب صورتِ حال نازک ہو گئی اور بصرہ کے گورنر عثمانؓ بن حنیف اور دوسرے معززین کی کوششوں کے باوجود حضرت عائشہؓ اور آپ کے لشکر نے واپس جانے سے انکار کر دیا تو عامل بصرہ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اپنی مدافعت کی تیاری کرے۔ چنانچہ اس نے بصرہ کے سرکردہ افراد اور رؤساء و سردارانِ فوج کو جمع کر کے پوچھا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ ہمیں ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہیئے اور انہیں ان کے

حال پر چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ فتنہ دب جائے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ امیر المومنین (حضرت علیؓ) کی خدمت میں یہ سارے واقعات لکھ کر بھیج دیئے جائیں اور ان کے حکم کا انتظار کیا جائے لیکن امیر بصرہ کا خیال تھا کہ امیر المومنین سے خط و کتابت میں بہت دیر لگ جائے گی، اور معلوم نہیں ان کی طرف سے جواب آنے تک حضرت عائشہؓ کا لشکر کیا اقدام کر بیٹھے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کی جائے اور انہیں واپس جانے پر مجبور کیا جائے تاکہ فتنہ کا یہیں قلع قمع ہو جائے اور صورتِ حال زیادہ خراب نہ ہونے پائے۔

اہلِ بصرہ میں گروہ بندی

اس میں شک نہیں کہ واقعات کے پیشِ نظر بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف نے جو رائے قائم کی تھی وہ نہایت صحیح اور دانشمندانہ تھی لیکن مشکل یہ آ پڑی کہ بصرہ کے لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ یہ بڑا ظلم ہے کہ ہم امّ المومنین کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلیں۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ جب اہلِ مدینہ اور صحابہ کی اکثریت حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی ہے اور وہ خلیفہ ہو چکے ہیں تو خواہ کتنی بڑی شخصیت ان کی مخالفت میں اٹھے ہمیں اس سے جنگ کرنی چاہیئے

ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو کہتا تھا کہ ایک طرف امیر المومنین ہیں اور دوسری طرف ام المومنین، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس کا ساتھ دیں۔ یہ گروہ غیر جانبدار ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہا تھا۔ بہر حال اہل بصرہ کی اکثریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی جو لوگ فتنہ کے خوف سے گھروں میں بیٹھ رہے تھے وہ بھی حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے مگر اس خیال سے میدان میں نہیں آتے تھے کہ ہمیں مسلمانوں کی خانہ جنگی میں شریک نہیں ہونا چاہیئے یہ صورت حال دیکھ کر امیر بصرہ عثمان بن حنیف نے لوگوں کو جامع مسجد میں جمع کیا اور پیشتر اس سے کہ خود تقریر کرتا ایک شخص کو جس کا نام قیس تھا اور جو بڑا بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت فصیح و بلیغ بھی تھا بلا کر کچھ سمجھایا اور پھر اسے تقریر کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

اے لوگو! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا نام قیس ہے۔ جو لوگ شہر سے باہر خیمہ زن ہیں اور تم سے اعانت کے طلبگار ہیں اگر یہ لوگ ظالموں کے ظلم و ستم کی وجہ سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں اور تم سے امان چاہتے ہیں تو یہ بات غلط ہے یہ لوگ مکہ سے آئے ہیں اور مکہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی پرندہ تک کو انگلی نہیں لگا سکتا اور اگر ان کے آنے کا

مقصد یہ ہے کہ تم سے حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لیں تو تم جانتے ہو کہ ہم میں سے کوئی حضرت عثمانؓ کا قاتل نہیں ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم انہیں اسی طرف واپس کر دو جس طرف سے یہ لوگ آئے ہیں[1]"

اس تقریر کا انداز بڑا منطقی تھا اس لئے لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے جب عثمانؓ بن حنیف گورنر بصرہ نے دیکھا کہ فضا سازگار ہو گئی ہے تو وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔

گورنر بصرہ کی تقریر

"اے لوگو تم نے (حضرت علیؓ کی) بیعت کر کے اللہ تعالیٰ کی بیعت کی ہے۔ اور تمہارے ہاتھوں پر اسی کا ہاتھ ہے۔ اب جو شخص اس عہد کو (جو اس نے بیعت کی صورت میں) اللہ تعالیٰ سے کیا ہے فسخ کرے گا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا اور جو شخص اس عہد پر جو اس نے اللہ تعالےٰ سے کیا ہے قائم رہے گا اور اس کی پابندی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اجر پائے گا۔ علیؓ وہ

[1] تاریخ ابن خلدون الجزء الثالث ص ۱۵۶ مطبوعہ مصر تاریخ طبری ابن اثیر

شخص ہیں کہ اگر کوئی اور شخص ان سے زیادہ خلافت کا مستحق ہوتا تو قسم ہے خدا کی وہ کبھی یہ عہدہ قبول نہ فرماتے اگر لوگ ان کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیتے تو وہ بھی بلا کسی پس و پیش کے اس کی بیعت کر لیتے (جیسے انہوں نے سابقہ تین خلفاء کی بیعت کر لی تھی) اور وہ جس کی بیعت کرتے اس کی دل و جان سے فرماں برداری کرتے (جیسے کہ سابقہ تینوں خلفاء کی اطاعت کرتے رہے) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کبھی حسد نہ کیا" (تو اب کسی صحابی سے کیونکر پرخاش رکھ سکتے ہیں)

اس کے بعد عثمان بن حنیف نے حضرات طلحہؓ و زبیرؓ پر اعتراض کیا کہ پہلے تو انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی پھر اسے توڑ دیا اور اب یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم نے ان کی بیعت دل سے نہ کی تھی۔ پھر اس نے کہا کہ :-

تم یہ دیکھو کہ مسلمانوں کی اکثریت کس کے ساتھ ہے جدھر ان کی اکثریت ہو سمجھ لو کہ حق اسی طرف ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت علیؓ کو خلیفہ

تسلیم کر چکی ہے تو پھر اب تمہیں اس معاملے میں شک کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اے لوگو! اگر حضرت عائشہؓ کا لشکر ہمارے شہر میں داخل ہوا تو ہم اس سے ضرور جنگ کریں گے۔ اگر سارے اہل بصرہ میرا ساتھ چھوڑ دیں تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا خواہ مجھے تنہا لڑنا پڑے۔ حق و انصاف کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہیں کروں گا۔ ان لوگوں سے جنگ کرتا ہوا مارا جانے والا شخص بلاشک و شبہ شہیدوں میں شامل ہوگا۔"[1]

ان تقریروں کا بڑا اچھا اثر ہوا اور لوگ حضرت عائشہؓ کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے جوش و خروش سے کمربستہ ہو گئے۔

---

[1] تاریخ طبری و ابن اثیر

حضرت عائشہ کا بصرہ پر قبضہ

حضرت عائشہؓ کا بصرہ پر قبضہ

اہلِ بصرہ کا لشکر مرتب کر کے عثمان بن حنیف شہر سے نکلا اور مربد کے مقام پر بائیں طرف خیمے ڈال دیئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے بھی اپنے لشکر کو روانگی کا حکم دیا اور مربد کے دائیں طرف پڑاؤ کیا۔ اس طرح دونوں لشکر تھوڑے سے فاصلے پر ایک دوسرے کے مدمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد پہلے حضرت طلحہؓ اور پھر حضرت زبیرؓ لشکر سے نکلے اور درمیان میں کھڑے ہو کر حضرت عثمانؓ کے فضائل و مناقب بیان کئے۔ پھر باغیوں نے ان کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان پر روشنی ڈالی اور آخر میں لوگوں سے قصاص لینے کی اپیل کی۔ یہ تقریریں سن کر حضرت عائشہؓ کے

اہل لشکر نے بلند آواز سے کہا آپ نے حق کہا۔ مگر اہل بصرہ نے بہ آواز بلند کہا کہ آپ لوگ غلط کہہ رہے ہیں۔ پہلے آپ نے امیر المومنین (حضرت علیؓ) کی بیعت کی پھر ان کی بیعت توڑ دی اور اب ان کے خلاف لشکر جمع کر کے مقابلہ کرنے کے لئے نکل آئے۔ اس پر دونوں جانب سے شور و غل برپا ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ کی ولولہ انگیز تقریر

یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے بلند آواز سے مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

"اے لوگو! خاموش! خاموش!! میں تمہاری ماں ہوں اس لحاظ سے میرا تم پر ایک حق ہے اور مجھ ہی کو تمہیں نصیحت کرنا زیب دیتا ہے۔ مجھ پر وہی شخص الزام تراشی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان بندہ ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی ہوں کہ جس کے سینے پر سر رکھ کر حضورؐ نے وصال فرمایا۔ میں حضورؐ کی وہ بیوی ہوں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب رہی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی شر سے محفوظ رکھا اور منافق و مومن میں امتیاز

ہوا۔ مجھے یہ شرف بھی حاصل ہے کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تیمم کا حکم نازل کیا۔ میرا باپ دنیا کے اولین مسلمانوں میں تیسرا مسلمان تھا اور غارِ حرا میں دو شخصوں میں سے دوسرا شخص تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جسے حضورؐ نے صدیقؓ کا لقب عطا فرمایا۔ رسول اللہؐ نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ اس سے ہر طرح خوش تھے اور اپنی وفات سے پہلے اسے خلافت تفویض فرمائی (یہ اشارہ تھا اس طرف کہ حضورؐ نے اپنے وصال سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے مقرر کیا اور مسلمانوں نے اس سے یہ استدلال کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے کھڑا کرنا گویا مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ جو شخص دین کے معاملے میں تمہارا امام ہے اسے تم دنیوی معاملات کے لئے بھی اپنا قائد منتخب کر لو۔) حضورؐ کے وصال کے بعد جب اسلام کی رسی متزلزل ہو گئی تو یہ میرا باپ ہی تھا جس نے اس کے دونوں سرے مضبوطی سے پکڑ لئے۔ اس نے نفاق کے سرکش گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور مرتدین کے چشمۂ ارتداد کو

خشک کر دیا۔ اس نے یہودیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھا دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے شگاف بند کر دیا۔ بیکار کو کارآمد بنایا۔ گرتے ہوئے لوگوں کو سہارا دیا۔ دلوں کے اندر کی بیماریوں کو زائل کر دیا جو پیاسے تشنگی بجھا چکے تھے۔ انہیں ان کے ٹھکان پر پہنچایا۔ پیاسوں کو گھاٹ پر لا کر سیراب کیا۔ جن کی پیاس ایک بار پانی سے نہیں بجھی انہیں دوسری بار پلایا۔ فتنہ و فساد اور نفاق و انتشار کی سرکوبی کرنے کے بعد اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی ڈوری سے باندھنے کے بعد وہ اللہ تعالےٰ کے پاس چلا گیا۔

جانے سے پہلے وہ اپنا جانشین ایک ایسے شخص کو مقرر کر گیا کہ اگر لوگ اس سے پناہ چاہتے تو وہ ان کی حفاظت کرتا۔ غلط راہ چلنے سے وہ اتنا ہی دور تھا جتنی مدینہ کے دو پہاڑیاں ایک دوسرے سے دور اور مختلف سمت میں واقع ہیں۔ وہ اسلام کے دشمنوں کی سرکوبی کرتا اور جاہلوں کی جاہلانہ باتوں کو نظر انداز کر دیتا۔ اسلام کی کامیابی کے لئے راتیں جاگ جاگ کر گذار دیتا۔ اپنے پیش رو کے

نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ فتنوں کے شیرازے کو منتشر کر گیا اور امت کے ایک ایک معاملے کو قرآن کریم کے مطابق درست کر دیا۔

(اے لوگو!) مجھے ہر طرف سے اعتراض کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ میں لشکر لے کر کیوں آئی ہوں۔ اس سے میرا مقصد فتنہ کو بڑھانا نہیں ہے بلکہ میں تو اسے پامال کرنے نکلی ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں بطور تنبیہہ اور حجت تمام کرنے کے لئے کہہ رہی ہوں اور حق و صداقت کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ درود و سلام ہو خدائے پاک کے نبیؐ پر۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کا جانشین تم لوگوں پر اسی طرح مقرر کرے جیسے اپنے انبیاؑ کے جانشین مقرر کرتا رہا ہے[1]۔"

حضرت عائشہؓ کا یہ خطبہ فصاحت و بلاغت، زورِ خطابت، جوشِ بیان، طرزِ ادا اور ادائے مطلب کے لحاظ سے عجیب و غریب تاثیر کا حامل ہے اور شاید بہت کم خطبے اس کے مقابلے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ بہر حال اس خطبے نے صورتِ حال میں غیر معمولی تبدیلی

[1] عقد الفرید باب الخطیب و معجم طبرانی ص ۲۱۸

پیدا کر دی اور عامل بصرہ کے لشکر میں سے سیکڑوں افراد اس کا ساتھ چھوڑ کر حضرت عائشہؓ کے لشکر میں آملے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر سن کر ان سے مختلف قسم کے سوالات شروع کر دیئے اور تھوڑی ہی دیر میں نوبت جنگ تک پہنچنے لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا لیا اور کئی میل دور سے جا کر دارالرزق کے مقام پر خیمہ زن ہوئیں مگر والیٔ بصرہ کا جرنیل حکیم ابن جبلہ فوج لے کر وہاں بھی پہنچ گیا اور حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بڑی خوں ریز جنگ ہوئی جس میں فریقین کے چھ سو افراد کام آئے۔ شام ہو جانے کی وجہ سے جنگ بند ہو گئی اور بصرہ کا لشکر شہر میں آگیا۔

معاہدہ صلح

صبح کو دونوں فریقوں کے نمائندے جمع ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ جس طرح ہو جنگ بند کر دی جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ صلح کی ابتدا حضرت عائشہؓ کی طرف سے ہوئی کیونکہ اس لشکر میں وہی خاتون تھیں جو ہر موقع پر جنگ وجدل سے اپنی فوج کو روکتی رہیں اور مسلمانوں کی باہمی خوں ریزی سے بچتی رہیں۔ بہرحال معاہدہ لکھا گیا اور یہ طے پایا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی واضح ہدایت آنے تک دونوں

فریق جنگ سے کنارہ کش رہیں گے۔ عثمان بن حنیف بدستور بصرہ کے گورنر رہیں گے۔ بیت المال اور ہتھیار انہیں کے قبضے میں رہیں گے۔ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو آزادی ہوگی کہ وہ بصرہ میں جہاں چاہیں رہیں۔

بصرہ کی فتح

حضرت عائشہؓ کی کوششوں سے یہ معاہدہ تو ہو گیا مگر بعد میں آپ کے اہل لشکر کو خیال پیدا ہوا کہ اگر ہم حضرت علیؓ کے آنے تک جنگ سے دستکش رہے تو وہ آتے ہی ہمارے سر اڑا دیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی آمد سے قبل ہی بصرہ پر قبضہ کر لو۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور ہمارے خیال میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی بے خبری میں لشکر کے ایک حصے نے بصرہ پر شبخون مارنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ بڑی تاریک رات تھی اور سخت آندھی چل رہی تھی حضرت عائشہؓ کے لشکر کے لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بصرہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف عشا کی نماز پڑھا رہے تھے مسجد ہی میں ان پر حملہ کر دیا گیا اور پکڑ کر بری طرح زد و کوب کیا گیا حتیٰ کہ ان کی داڑھی کے بال تک نوچ ڈالے گئے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بیت المال کا رخ

کیا اور وہاں جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ اس بیت المال کی حفاظت کے لئے چالیس پہرہ دار متعین تھے۔ ان سب کو قتل کر دیا[1] اور راتوں رات بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

ایک اور مقابلہ

صبح ہوتے ہی بصرہ کی پر امن فضا میں سخت قسم کی کشیدگی پیدا ہو چکی تھی اور اہل بصرہ کا وہ گروہ جو حضرت عائشہ رض کی صلح پسندی کی وجہ سے جنگ کا خیال دلوں سے نکال چکا تھا سخت مشتعل ہو کر شہر سے نکل گیا۔ بصرہ کے عام لوگوں کو بھی اپنے گورنر کے ساتھ بدسلوکی اور اس صریح عہد شکنی کا بڑا رنج تھا چنانچہ سیکڑوں آدمی مسلح ہو کر بصرہ کے باہر جمع ہو گئے۔ عثمان بن حنیف کا جرنیل حکیم بن جبلہ ان کی قیادت کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رض فوج لے کر اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ دونوں فوجوں میں خوفناک جنگ ہوئی۔ حضرت طلحہ رض کی فوج کے ایک سپاہی نے حکیم بن جبلہ پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کی ٹانگ کٹ کر دور جا گری۔ حکیم زخمی حالت میں اپنی ٹانگ کے پاس گیا اور اسے اٹھا کر اس زور سے حملہ آور کے سر پر مارا کہ وہ اس ضرب کی تاب نہ لا کر

[1] الفتنۃ الکبریٰ صہ ۳۹ جلد دوم ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مطبوعہ مصر)

زمین پر گر پڑا۔ حکیم ایک ٹانگ سے لڑتا رہا اور بڑی بے جگری سے مقابلہ کرتا ہوا میدان میں کام آیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اٹھا کر اپنے حملہ آور کے سر پر ماری تو وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا

یا نفس لا تراعی — اے دل کوئی مضائقہ نہیں
ان قطعوا کراعی — اگر میری ٹانگ کاٹ دی گئی
ان معی ذراعی — میرا ہاتھ تو سلامت ہے۔

اس کے بعد اس نے بڑی شدت سے تلوار چلانی شروع کر دی حملے پر حملے کرتا جاتا تھا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا۔

لیس علیّ فی الممات عار — میرے لئے کٹ مرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔
والعار فی الحرب ھو الفرار — عار کی بات تو میدان جنگ سے فرار میں ہے۔
والمجد الا یفضح الذمار — عظمت اسی میں ہے کہ غیرت کو زندہ رکھا جائے۔

بعض قبائل کی حضرت عائشہ رض سے علیحدگی

اس جنگ میں حرقوص ابن زہیر نے بھی شرکت کی تھی اور بڑی

بہادری سے لڑا تھا مگر جب حضرت طلحہؓ کی فوج کے ہاتھوں حکیم ابن جبلہ قتل ہوگیا اور اس کا لشکر شکست کھا گیا تو حرقوص میدان جنگ سے نکل گیا۔

حرقوص اپنے قبیلے کا سردار تھا اسی طرح حکیم کا بھی اہل بصرہ اور قرب و جوار کے قبائل پر بڑا اثر تھا۔ یہ قبائل حکیم کے انتقام کا نعرہ لگا کر حضرت عائشہؓ کی فوج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور قصاص طلب کرنے لگے۔ ادھر حضرت طلحہؓ نے حرقوص کے قبیلے سے مطالبہ کیا کہ اپنے سردار کو ہمارے سپرد کردیں مگر اس مطالبے کو منظور کرنے کی بجائے چھ ہزار مسلح افراد حضرت طلحہؓ کے خلاف میدان میں آگئے۔ اہل بصرہ کا ایک گروہ حضرت عائشہؓ کی فوج کے رویے سے بددل ہو کر بصرہ سے نکلا اور حضرت علیؓ سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ ایک دوسرے گروہ نے حضرت علیؓ کے پاس جانے کا قصد تو نہ کیا البتہ بصرہ سے نکل کر اس راستے میں بیٹھ کر حضرت علیؓ کا انتظار کرنے [illegible] سے حضرت علیؓ کے بصرہ پہنچنے کی توقع تھی۔ اس طرح بصرہ کی حالت بہت نازک ہوگئی۔ اور بہت سے لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کا ساتھ چھوڑ دیا مگر پھر بھی ایک جمعیت کثیر ان کے جھنڈے کے نیچے جمع تھی اور بصرہ و کوفہ کے قرب و جوار میں خطوط لکھ کر وہ لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کر رہی تھیں۔

حضرت علیؓ کا عزم بصرہ

حضرت علیؓ کا عزمِ بصرہ

جب امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی گئی تو آپ کا ارادہ مدینہ سے جانے کا نہ تھا اور سابق خلفاؓ کی طرح آپ بھی تختگاہِ رسولؐ کو اپنا مستقر بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے مگر جب امیر شام حضرت معاویہؓ نے اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں تو مجبوراً آپ کو اپنی رائے بدلنی پڑی اسی دوران میں آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ حضرات طلحہ و زبیرؓ کے ساتھ مکہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہو چکی ہیں تو آپ نے بھی مدینہ سے نکلنے کا قصد کیا۔

ماہ ربیع الثانی ۳۶ھ کے اواخر میں حضرت علیؓ مدینہ سے

بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ روانگی سے پہلے آپ نے سہیل بن حنیف کو مدینہ کا اور قثم بن عباسؓ کو مکہ کا گورنر مقرر کیا چند افراد کے سوائے اہل مدینہ کی بہت بڑی اکثریت اسلحہ سے لیس آپ کے ہمراہ تھی جب حضرت علیؓ ربذہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ بصرہ پر حضرت عائشہؓ کے لشکر نے قبضہ کر لیا ہے چنانچہ آپ یہیں ٹھہر گئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی گفتگو

اسی اثنا میں حضرت علیؓ کے فرزند اکبر حضرت امام حسنؓ ربذہ پہنچ گئے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ بصرہ پر حضرت عائشہؓ کا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے بڑی دردمندی سے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے مختلف مواقع پر آپ کو نیازمندانہ مشورے دیئے مگر آپ نے میرا ایک مشورہ بھی قبول نہ کیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اے میرے بیٹے! مجھے بتاؤ تو کہ میں نے تمہارا کونسا مشورہ نہیں مانا۔ حضرت امام حسنؓ نے عرض کیا کہ جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا تو میں نے آپ کو رائے دی کہ آپ مدینہ سے کہیں اور چلے جائیے۔ پھر جب لوگ آپ سے بیعت خلافت کی درخواست کرنے لگے تو میں نے عرض کی کہ جب تک عرب اور دوسرے صوبوں کے وفود آ کر آپ سے بیعت

لینے کی درخواست نہ کریں آپ خلافت قبول نہ فرمائیں۔ اس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے آپ کے خلاف خروج کیا تو اس وقت پھر میں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خاموشی سے بیٹھے رہیئے اور جب تک فتنہ و فساد فرو نہ ہو جائے کہیں جانے کا قصد نہ کیجئے مگر آپ نے میرا ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔

حضرت علیؓ کا جواب

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کی یہ تنقید بڑی خندہ پیشانی سے سنی اور پھر فرمایا کہ " اے جانِ پدر! تمہیں معلوم نہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو صورتِ حال ایسی تھی کہ میں مدینہ سے باہر نہ جا سکتا تھا۔ جہاں تک تمہارے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ میں نے خلافت کیوں قبول کر لی سو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان حالات میں اگر میں خلافت قبول نہ کرتا تو ملت اسلامیہ کو سخت ضعف پہنچتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اہل شوریٰ اصحاب مدینہ ہی رہے۔ رسول اللہ کے وصال کے بعد انہیں لوگوں کی بیعت سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم ہوئی میں نے ان کی بھی بیعت کر لی۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی

طرف چلے گئے تو (اہل مدینہ کی بیعت سے) حضرت **عمرؓ** خلیفہ ہوئے میں نے ان کی بھی بیعت کرلی اور ان کی اطاعت کرتا رہا۔ پھر جب حضرت عمرؓ بھی رحمت الٰہی کی طرف چلے گئے تو (مدینہ کے) اہلِ شوریٰ کی بیعت سے حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے میں بھی اہلِ شوریٰ میں تھا اور میں نے بھی ان کی بیعت کرلی۔ اس کے بعد مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا اور لوگوں نے بلاجبر و کراہ اپنی مرضی اور خوشی سے میری بیعت کرلی۔ اب جب کہ میں خلیفہ ہوچکا ہوں جو شخص بھی میرے خلاف کھڑا ہوگا میں ضرور اس سے لڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر فرمادے **وھو خیر الحاکمین**۔ تم کہتے ہو کہ میں نے طلحہؓ و زبیرؓ کے خروج کے وقت خاموشی کیوں نہ اختیار کی۔ اس کے جواب میں میں یہی کہوں گا (خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے) اگر میں اپنا فرض ادا نہ کروں تو اور کون ادا کرے گا[۱]"

حضرت امام حسنؓ حضرت علیؓ کے استدلال کے سامنے لاجواب ہوگئے اور ان کے احکام کی اطاعت کے لئے تیار ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن جعفرؓ کو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ کوفہ جاکر وہاں کے حالات درست کرو اور لوگوں کو بصرہ چلنے پر آمادہ کرو۔

[۱] تاریخ ابن خلدون الجزالثانی صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ مصر

حضرت علیؓ کے حکم کی تعمیل میں یہ دونوں کوفہ پہنچے مگر وہاں کے گورنر حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے کسی قسم کی امداد دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں اور میرے صوبے کے لوگ نہ حضرت علیؓ کی موافقت کریں گے اور نہ مخالفت، بلکہ غیر جانبدار رہیں گے تاآنکہ یہ فتنہ فرو نہ ہوجائے۔ محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کوفہ کے حالات بے کم و کاست بیان کردیئے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے اپنے جرنیل **اشتر** اور حضرت **عبداللہ** ابن عباسؓ سے کہا کہ تم دونوں کوفہ جاؤ اور حالات کی اصلاح کرو۔ ان دونوں کو بھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے اس موقف پر سختی سے قائم رہے کہ میں غیر جانبدار رہوں گا تاآں کہ فتنہ ختم نہ ہوجائے۔ اس وفد کی ناکام واپسی پر حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت امام حسنؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشہور صحابی حضرت **عمارؓ** بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا۔

حضرت علیؓ کا وفدِ کوفہ

جب یہ دونوں حضرات کوفہ پہنچے اور حضرت **ابوموسیٰؓ اشعری** کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ جامع مسجد میں آئے جہاں یہ دونوں ان کا انتظار کر رہے تھے اور آگے بڑھ کر حضرت امام حسنؓ کو گلے لگا لیا اس کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سے مخاطب ہوکر کہا کہ اے ابوالیقظان؛

آپ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے۔ حضرت عمارؓ نے کہا کہ نہیں میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ اس پر حضرت امام حسنؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اس معاملے (قتلِ عثمانؓ) میں جو کچھ ہوا اس میں ہماری رائے اور مشورے کو قطعاً دخل نہیں ہے۔ (یعنی مفسدوں نے یہ اقدام اپنے طور پر کیا انہیں ہماری تائید حاصل نہ تھی) اور اب ہماری آمد کا مقصد صرف حالات کی اصلاح اور امن کا قیام ہے اور آپ جانتے ہیں کہ امیرالمومنین امت کی فلاح کے معاملے میں کسی سے نہیں ڈرتے۔

حضرت امام حسنؓ کی یہ گفتگو سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے جو کچھ فرمایا درست ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا اس فتنہ کے وقت کھڑے ہوئے شخص سے بیٹھا ہوا شخص، پیادہ چلنے والے سے کھڑا ہوا شخص اور گھوڑے پر سوار ہونے والے سے پیادہ چلنے والا شخص بہتر ہوگا۔ سارے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں ان کی جان و مال پر دست درازی کرنا حرام ہے۔ اس پر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو سخت سست کہا۔ دونوں میں کچھ تلخ کلامی ہوئی بات بڑھتے دیکھ کر

حضرت موسیٰ اشعریؓ کے چند ہوا خواہوں نے حضرت عمارؓ پر حملہ کرنا چاہا لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے انہیں روک دیا۔

حضرت عائشہؓ کا ایک خط

اسی اثناء میں کوفہ کے ایک سربرآوردہ شخص زید بن صوحان حضرت عائشہؓ کا ایک خط لے کر جامع مسجد میں آئے۔ یہ خط ان ہی خطوط میں سے تھا جو حضرت عائشہؓ نے فتح بصرہ کے بعد امرائے کوفہ کے نام لکھے تھے چونکہ زید بن صوحان بھی کوفہ کے امراء میں سے تھے اس لئے حضرت عائشہؓ نے انہیں بھی اپنی حمایت کی دعوت دی تھی۔ زید نے یہ خط مجمع عام میں پڑھا اس کا مضمون یہ تھا:-

"اما بعد، میں تمہیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں کتابِ الٰہی کو اس کے اجراء سے قائم رکھو، خدا سے ڈرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو۔ ہم نے بصرہ آ کر بصرہ کے لوگوں کو کتابِ الٰہی کی اقامت کی دعوت دی۔ صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی اور جن میں بہتری نہ تھی انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ تمہیں بھی ہم عثمانؓ کے ساتھ

روانہ کر دیتے ہیں عناد سے انہوں نے ہم کو کافر بنایا اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں۔ ہم نے ان کو قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ (آل عمران پ ۳)	ان کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا۔ ان کو کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے لیکن وہ اعراض کرتے ہیں۔

یہ سن کر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی اور بعض لوگوں نے اختلاف کیا۔ ہم نے انہیں چھوڑ دیا لیکن باوجود اس کے بھی انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ نے انہیں قسم دی کہ وہ مجھ سے لڑیں لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے سے میری مدد کی اور ان کی سازشی تدبیریں انہیں پر لوٹا دیں۔ ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الٰہی کی دعوت دی۔ یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ بے گناہوں کی خوں ریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں

نے ہمارے خلاف دلائل قائم کئے تاہم ہم نے صلح کر لی لیکن انہوں نے بدعہدی اور خیانت کی اور اور فوج جمع کی۔ خدا نے عثمانؓ کے قصاص کا سامان کر دیا۔ ایک شخص کے سوا ان شورش پسندوں میں سے اور کوئی نہیں بچا۔ خدا نے قیس و رباب وازد کے قبیلوں کے ذریعہ سے ہماری اعانت فرمائی۔ اب دیکھو! عثمانؓ کے قاتلوں کے سوا جب تک خدا ان سے اپنا حق نہ لے لے اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ لیکن —— ان خیانت کاروں کی طرفداری نہ کرنا نہ ان کی حفاظت کرنا نہ ان لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں رضامندی ظاہر کرنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے۔

خط کی عبارت سن کر حضرت علیؓ کے ایک مشہور طرفدار شبث بن ربعی نے برا بھلا کہا۔ اس پر حضرت عائشہؓ کے ہوا خواہ مشتعل ہو گئے یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے ایک تقریر کی اور کہا کہ:-

ؔ سیرت عائشہؓ ص ۱۲۶، ۱۲۷ از سید سلیمان ندوی مرحوم

ابوموسیٰ کی تقریر

"تم لوگ آپس میں نہ لڑو بلکہ میرے احکام کی اطاعت کرو اپنے گھروں میں بیٹھ رہو۔ مظلوموں کے لیے ٹیلہ بن جاؤ تاکہ وہ تمہارے سائے میں پناہ لے سکیں اور خوفزدہ لوگ تمہارے پاس آکر مامون ہو جائیں۔ جب فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ فتنہ ایک وبا کی صورت میں پھوٹ پڑا ہے۔ پس تم اپنی تلواریں نیام میں ڈال لو۔ اپنے نیزوں کی انیاں توڑ دو، اپنے گھوڑوں کے بند کاٹ دو اور اپنے گھروں میں جا بیٹھو تاآنکہ آتشِ فساد سرد ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ حقیقتِ حال کیا تھی[1]"

حضرت موسیٰ اشعریؓ کی تقریر سن کر سب سے پہلے کوفہ کے رئیس زید بن صوحان نے جن کو حضرت عائشہؓ نے اپنی حمایت کی دعوت دی تھی حضرت ابوموسیٰؓ سے سخت اختلاف کیا اور بآوازِ بلند کہا دریائے فرات کو اسی طرف لوٹا دو جدھر سے یہ تمہاری طرف بڑھا ہے (مطلب

[1] تاریخ ابن خلدون الجز الثانی صفحہ ۱۵۹ تاریخ طبری و ابن اثیر

یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ تمہاری طرف آنا چاہتی ہیں۔ بصرہ فرات کے کنارے واقع ہے اس لیے زید نے نہایت خوبی سے فرات کو اس کی منزل کی طرف لوٹانے کی تلقین کی۔ مدعا یہ تھا کہ بصرہ کے فاتحین کو پسپائی پر مجبور کر دو) اٹھو اور امیر المومنین سید المسلمین حضرت علیؓ کی اعانت کو روانہ ہو جاؤ۔

حضرت علیؓ کے وفد کی کامیابی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت قعقاعؓ بن عمرو بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے بھی زید بن صوحان کی تائید کی اور کہا امیر کوفہ (حضرت ابوموسیٰؓ اشعری) نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ غلط نہیں ہے لیکن میں تمہیں یہی نصیحت کرتا ہوں کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی امداد کرو حق تک رسائی پا جاؤ گے۔ ایک اور شخص عبد خیر نے جو بڑے صاحبِ اثر تھے حضرت ابوموسیٰؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں درست ہے۔ اس پر عبد خیر نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کوئی ایسا کام کیا جس سے ان لوگوں

پر امیر المومنین کی بیعت توڑنی واجب ہو گئی ہو۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ سن کر عبد خیر نے کہا کہ اگر یہ بات آپ کو معلوم نہیں تو ہم آپ کا ساتھ چھوڑتے ہیں۔ عنقریب یہ بات آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اس کے بعد عبد خیر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کو امیر المومنین نے اپنی امداد کی دعوت دی ہے۔ وہ فقیہہ اور امت کے حکیم ہیں پس تم ان کے پاس جانے کے لئے تیار ہو جاؤ جو ان کے پاس جائے گا میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ عبد خیر کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور پھر حضرت امام حسنؓ نے نہایت فصیح و بلیغ اور ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ ان تقریروں سے لوگ بے حد متاثر ہوئے کوفہ کے دو رئیسوں عدی بن حاتم اور حجر [illegible]ندی نے بھی اپنے اپنے قبیلوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر ابھارا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوفہ کا رنگ بدل گیا۔ لوگ مسجد سے اٹھ کر اپنے گھروں کو گئے اور اسلحہ جنگ سے آراستہ ہو کر مسجد کے سامنے جمع ہونے لگے۔ اس طرح نو ہزار کا لشکر عظیم حضرت امام حسنؓ کے ساتھ امیر المومنین کی حمایت کے لئے روانہ ہو گیا۔ چھ ہزار بری راستے سے گئے اور تین ہزار نے دریا کا سفر اختیار کیا[1]

[1] تاریخ ابن خلدون الجزء الثانی ص ۱۵۹ مطبوعہ مصر)

صلح کی کوشش

صلح کی کوشش

حضرت علیؓ بصرہ کی طرف آتے ہوئے مقام ذی وقار میں تھے کہ کوفہ سے نو ہزار افراد کا لشکر جرار حضرت امام حسنؓ کی قیادت میں آپ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت علیؓ نے اس لشکر کا بڑی محبت سے استقبال کیا۔ ان کی تعریف کی اور انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت علیؓ کا اہل کوفہ سے خطاب

اے اہل کوفہ! تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایران کے بادشاہوں سے نبرد آزمائی کی۔ ان کو شکست دے کر ان کے ٹڈی دل لشکروں کو تتر بتر کر دیا ان کے محلوں پر

قابض ہو گئے اور جب دشمنوں نے تمہارے ملک پر
حملے کئے تو تم نے اس بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا کہ
ان کو پسپا ہونا پڑا۔ اس طرح تم نے اپنی سرحدوں کو ہمیشہ
محفوظ رکھا۔ میں نے تمہیں جس مقصد کے لئے بلایا ہے
وہ یہ ہے کہ بصرہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں۔ ان
سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تمہاری امداد حاصل کروں
میں حالات کی اصلاح کے لئے بصرہ جا رہا ہوں اور
کوشش کروں گا کہ وہاں کے لوگ میری بات مان لیں
اگر انہوں نے اپنی موجودہ روش ترک کر دی تو فھو المراد
اور اگر اپنی ضد سے باز نہ آئے تو بھی میں ان کے ساتھ
محبت اور نرمی کا سلوک کروں گا اور اسوقت تک تلوار نہیں
اٹھاؤں گا جب تک وہ خود اس کی ابتدا نہ کریں۔ میری
طرف سے پر امن اصلاح کی کوشش میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی جائے گی اور بہر صورت جنگ کے مقابلے میں
امن و امان کو ترجیح دی جائے گی"۔

اس طرح امیر المومنین حضرت علیؓ نے اہل کوفہ کے ان نوواردوں
کو ایک طرف ان کی تعریف کر کے رام کر لیا اور دوسری طرف اپنے

عزائم اور اپنی طرزِ سیاست کے خد و خال بیان کر دیئے تاکہ ان پر
کوئی امر مخفی نہ رہے اور آئندہ وہ جو قدم اٹھائیں آپ کی اس تقریر کی
روشنی میں اٹھائیں۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ اہل کوفہ حضرت علیؓ کی
اس تقریر سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے آخر وقت تک اپنے
امیر کے احکام کی تعمیل کی جبتک اس نے حکم نہیں دیا جنگ نہیں کی اور جب جنگ کی
تو کسی موقع پر پیٹھ نہیں دکھائی بلکہ مدمقابل کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور
کر دیا اور جب حضرت علیؓ نے جنگ سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا تو انہوں
نے بلا پس و پیش اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔

غرض بیس ہزار افراد کا لشکرِ جرار لے کر حضرت علیؓ بصرہ روانہ ہوئے
اور شہر سے چند میل دور فرو کش ہوئے تاکہ کسی معتبر اور معاملہ فہم شخص
کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجکر معاملات کو نرمی اور متانت سے سلجھا لیا
جائے۔ اس مقصد کے لئے آپ کی نگاہ انتخاب رسول اللہؐ کے
مشہور صحابی حضرت قعقاعؓ بن عمرو پر پڑی جو صاحبِ علم و فضل ہونے
کے ساتھ ساتھ نہایت زیرک معاملہ فہم اور فصیح و بلیغ بھی تھے۔
حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ آپ امّ المومنین کے پاس جائیے اور
ان سے پوچھئے کہ آپ کو کن حالات نے بصرہ آنے پر مجبور کیا۔ حضرت
علیؓ نے اس سلسلے میں انہیں مختلف ہدایات دیں اور فرمایا کوشش کرنا

کہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے اور مسلمانوں میں خون ریزی نہ ہو۔

قعقاعؓ بارگاہِ عائشہؓ میں

حضرت علیؓ سے ہدایات حاصل کر کے حضرت قعقاعؓ شہر میں داخل ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی اجازت مانگی۔ آپؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر قعقاعؓ نے سلام کیا اور پھر دونوں میں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

قعقاعؓ :۔ ام المومنین! آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی۔

حضرت عائشہؓ: میرے بیٹے! میں یہاں اصلاح امت کے لئے آئی ہوں۔

قعقاعؓ :۔ اگر مناسب ہو تو حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو بھی بلوا لیجئے۔ آپ کی موجودگی میں میں ان سے بھی چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے آدمی بھیج کر ان دونوں حضرات کو بلوا لیا۔ اس کے بعد قعقاعؓ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔

میں نے ام المومنین سے یہاں آنے کی وجہ معلوم کی تھی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں امت کی اصلاح کے لئے آئی ہوں۔ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد بھی یہی ہے۔

طلحہؓ و زبیرؓ:۔ ام المومنین نے صحیح فرمایا ہماری آمد کا بھی یہی مقصد ہے۔

قعقاعؓ :۔ مجھے بھی بتایئے کہ اصلاح کیسے ہو سکتی ہے اگر آپ حضرات کا طریق کار درست ہوا تو ہم بھی اسے اختیار کریں گے۔

طلحہؓ و زبیرؓ: اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیں اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن کے احکام سے روگردانی کی ہے۔

قعقاعؓ :۔ براہِ خدا ذرا غور فرمایئے کہ آپ لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق اہل بصرہ کو قاتلین عثمان سمجھ کر قتل کرنا شروع کیا اور اس طرح محض شبہ کی بنا پر ان کے چھ سو افراد کو قتل کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے چھ ہزار آدمی آپ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ نے ایک شخص حرقوص بن زہیر کو قاتل عثمانؓ سمجھ کر پکڑنا چاہا مگر وہ آپ کے ہاتھ نہ آیا۔ اس پر چھ ہزار افراد اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ لوگوں کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ مجھے بتایئے کہ کیا آپ اپنے دعوے کے مطابق اسے چھوڑ کر تارک قرآن نہیں ہو گئے؟ اور اگر آپ ایک شخص کیلئے

لڑیں گے تو ان پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے۔

ایک اور روایت کے مطابق قعقاع نے حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ :-

قعقاعؓ کی دانشمندانہ تقریر

"آپ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کے عوض بصرہ کے چھ سو آدمیوں کو مار ڈالا مگر صرف ایک شخص حرقوص بن زہیر کو قتل نہ کر سکے جس کے قبیلے والے غضبناک ہو کر آپ کے مقابلے میں آگئے اور اسی وجہ سے (اہل بصرہ کے قتلِ عام سے) قبائل مضر اور ربیعہ بھی آپ کی حمایت سے دست کش ہو گئے۔ بعض اور لوگ بھی آپ کے مخالف ہو گئے۔ اگر آپ نے یہی طرزِ عمل دوسرے شہروں کے لوگوں کے ساتھ اختیار کیا تو آبادیاں ویران ہو جائیں گی اور اس طرح ویران ہوں گی کہ دوبارہ آباد ہونا مشکل ہو گا۔"[1]

حضرت قعقاعؓ کی یہ تقریر اس قدر پُر اثر اور مدلل تھی کہ حضرت عائشہؓ

[1] الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص۲۵ از ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مطبوعہ مصر)

اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ لاجواب ہو گئے اور قعقاعؓ سے کہا کہ پھر آپ ہی مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اس پر قعقاعؓ نے کہا کہ اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ پہلے امن و سکون کی فضا پیدا کی جائے۔ اشتعال اور ہیجان کی کیفیت ختم کی جائے۔ خوف و ہراس کو دور کیا جائے اور جب لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں تو پھر اطمینان سے معلوم کیا جائے کہ یہ فتنہ کیسے اٹھا اور اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔ اگر آپ حضرات صدق دل سے امیر المومنین کی بیعت کر لیں تو یہ امت کی بہتری کے لئے بہت مفید ہو گا اور باہم متحد ہو کر قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینا بھی آسان ہو جائے گا۔ پس آپ لوگ وہ طریق اختیار کیجیے جو امت کی فلاح اور عافیت کا موجب ہو ورنہ ملت اسلامیہ سخت قسم کی تباہی کا شکار ہو جائے گی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو حضرت قعقاعؓ کی اس تقریر نے بے حد متاثر کیا اور انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کی باتیں نہایت معقول ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کی یہی رائے ہے جو آپ کی ہے تو آپ انہیں اطلاع دے دیجیے کہ ہم مصالحت کے لئے تیار ہیں۔

خوش گوار فضا

قعقاعؓ نے واپس آکر حضرت علیؓ کو یہ خوشخبری سنائی۔ آپ بے حد مسرور ہوئے اور خیال کیا کہ مصیبت کے بادل امت کے سر سے چھنٹ گئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ کل بصرہ روانہ ہو جاؤں اگر میرے لشکر میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ میں کسی قسم کا حصہ لیا تھا تو وہ لشکر سے نکل جائے۔

زاویہ کے مقام پر پہنچ کر امیر المومنین خیمہ زن ہو گئے۔ یہ جگہ بصرہؓ کے قریب واقع تھی۔ حضرت قعقاعؓ کی کوشش سے معاملات روبہ اصلاح ہو گئے تھے۔ لوگوں کے دلوں سے خوف جاتا رہا تھا۔ بصرہ کے لوگ حضرت علیؓ کے لشکر میں آزادانہ آتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے اہل لشکر شہر میں جاتے تھے اور اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ملتے تھے۔ جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے سنا کہ حضرت علیؓ بصرہ کے قریب پہنچ کر زاویہ کے مقام پر خیمہ زن ہو چکے ہیں تو وہ بھی لشکر لے کر شہر سے باہر نکلے اور حضرت علیؓ کی فوجوں کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔ حضرت علیؓ نے

اپنے ایک سفیر کو حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ قعقاعؓ کے ذریعہ سے مصالحت کی جو بات چیت ہوئی تھی اگر آپ لوگ اس پر قائم ہیں تو معاملات طے کر لیجئے۔ ادھر سے جواب آیا ہم اپنی بات پر قائم ہیں۔ چنانچہ دونوں طرف سے سفیروں کا تبادلہ ہونے لگا۔ حضرت علیؓ نے اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص حضرت عائشہؓ کے کسی سپاہی یا افسر سے تعرض نہ کرے اور نہ جنگ وجدل کی باتیں کرے۔ آپ نے نمازوں میں دعا بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں مصالحت کرا دے تاکہ قوم خانہ جنگی میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔

حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر

ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ زاویہ سے بڑھ کر بصرہ پہنچ گئے اور یہیں بکر بن وائل اور عبد القیس کے قبائل آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ تین روز تک دونوں فریق جنگ وجدل سے بالکل دست کش رہے۔ حضرت زبیرؓ کے بعض ساتھیوں نے انہیں مشورہ دیا کہ جنگ شروع کر دی جائے مگر انہوں نے فرمایا کہ قعقاعؓ

کی معرفت مصالحت کی کوشش ہو رہی ہے ہم علیؓ سے ایک عہد کر چکے ہیں اگر اب ہم نے جنگ چھیڑی تو یہ بد عہدی ہو گی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے لشکر کے بعض لوگوں نے بھی آپ کو جنگ شروع کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے بھی انہیں اسی قسم کا جواب دیا جو جواب حضرت زبیرؓ اپنے لشکر کے جنگ پسندوں کو دے چکے تھے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ اگر کل کو جنگ شروع ہو گئی اور اس میں لوگ قتل ہوئے تو ان کی کیا کیفیت ہو گی۔ آپ نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ ہمارے درمیان خونریزی نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے دلوں میں صلح و امن کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں اور اگر بالفرض ایسا ہوا تو دونوں طرف کے مقتول جنت میں جائیں گے۔ اس جواب سے آپ کی مراد یہ تھی کہ فریقین کے قائد کسی دنیوی فائدے کی خاطر نہیں بلکہ اپنی اپنی جگہ دین کے قیام کے لئے اٹھے ہیں۔ دونوں اصلاح کے طالب ہیں۔ ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ بعض مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کو جو مسلمانوں کے خلیفہ تھے انتہائی سفاکی سے شہید کر دیا۔ اس طرح ان لوگوں نے خلافت کے تقدس کو پامال کیا اور مسلمانوں کی مرکزیت کو فنا کر دیا اس لئے یہ سزا کے مستحق ہیں۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یقیناً یہ لوگ سزا کے مستحق ہیں لیکن موجودہ حالات میں سب سے پہلی ضرورت نظم و نسق

کی اصلاح۔ امن کے قیام اور خلافت کے استحکام کی ہے۔ جب یہ چیزیں حاصل ہو جائیں اور مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائے پھر تحقیق کی جائے اور سراغ لگایا جائے کہ یہ فتنہ کیوں شروع ہوا اور اس میں کن کن لوگوں نے حصہ لیا۔ فتنہ پردازوں کی نشاندہی ہونے پر انہیں عبرتناک سزا دی جائے چونکہ مقصد دونوں کا ایک ہے اور فرق صرف نقطۂ نگاہ کا ہے اس لئے اگر جنگ ہوئی تو غلط فہمی کی بنا پر ہو گی اس لئے اس جنگ میں مارے جانے والے خواہ وہ کسی فریق سے تعلق رکھتے ہوں جنت میں جائیں گے۔

ہولناک جنگ

ہولناک جنگ

سازش

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین صلح کی گفتگو جاری تھی۔ دونوں طرف کے لوگ بہت خوش تھے کہ مسلمان عنقریب ایک دوسرے سے گلے ملیں گے اور امت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر مجتمع ہوجائے گا مگر اسے ملت اسلامیہ کی بدقسمتی کہنا چاہیے کہ دونوں طرف ایسا فتنہ پرداز عنصر موجود تھا جو صلح کو اپنے مخصوص مفادات کے خلاف سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جن کا خیال تھا اگر دونوں فریقوں نے صلح کرلی تو لازمی طور

پر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ اٹھے گا۔ تحقیقات کی جائے گی اور مجرموں کو سزا ملے گی۔ اس صورت میں انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔ دوسری طرف حضرت عائشہؓ کے لشکر میں بنو امیہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جن کا سرگروہ مروان تھا۔ ان لوگوں کو حضرت علیؓ سے سخت خطرہ تھا۔ انہیں یہ غم بھی کھائے جا رہا تھا کہ صلح ہو جانے کی صورت میں خلیفہ حضرت علیؓ ہی رہیں گے۔ وہ خدائی احکام نافذ کرنے کے معاملے میں بڑے سخت ہیں۔ ان لوگوں کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر ساری امت نے انہیں متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا اور انہیں پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو وہ مروان اور اس کے ساتھیوں سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ بصرہ کا گورنر عبد اللہ بن عامر اور یمن کا گورنر یعلی بن امیہ بھی اس صلح سے بڑے خائف تھے کیونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کی خبر سن کر یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور جاتے ہوئے بیت المال کی رقوم، اسلحہ جنگ، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ لوٹ لے گئے تھے۔ اس لئے انہیں خدشہ تھا کہ صلح ہو جانے کی صورت میں ان کی خیر نہیں ہے۔ پھر بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی عداوت بھی اس صلح کو ختم کرانے میں کارفرما تھی

مروان اور اس کے ساتھی دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی صورت میں بنو ہاشم کا آفتاب اقتدار ابھر رہا ہے اور انہیں یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ وہ بنو ہاشم کے محکوم رہیں۔ یہ تھے وہ اسباب جنہوں نے صلح کی کوشش کو غارت کر دیا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نے ہر موقع پر اپنے اپنے لشکر کے لوگوں کو امن و آشتی کی تاکید کی۔ فتنہ پسند عنصر کو جنگ چھیڑنے سے روکا اور دونوں لشکروں کے قائدین نے قاتلین عثمانؓ کو سزا دینے اور فتنہ میں حصہ لینے والوں کی گوشمالی کرنے کا اعلان کیا۔ اس صورت حال نے بھی دونوں طرف کے فتنہ پسند لوگوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور وہ سمجھ گئے کہ ان لوگوں میں سے خواہ کوئی کامیاب ہو ہمارے لئے فلاح کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں لشکروں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے مشورہ کیا تھا کہ عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ ان سب کو قتل کر دو اس سے بھی ان کے مذموم عزائم کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ دونوں طرف کے انہیں فتنہ پرداز لوگوں نے سازش کی اور فیصلہ کیا کہ رات کی تاریکی اور بے خبری کے عالم میں ایک دوسرے پر حملہ کر دو۔ ہمارے خیال

میں اس سازش میں دونوں طرف کے لوگ شریک تھے۔

آغازِ جنگ

آخر کار حضرت قعقاعؓ کی کوشش سے طے پا گیا کہ کل نمازِ فجر کے بعد دونوں جانب کے نمائندے صلح کا اعلان کر دیں گے۔ لوگ اطمینان سے اپنے اپنے لشکروں میں چلے گئے اور آرام کی نیند سو گئے۔ جب سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان آویزش شروع ہوئی تھی شاید یہ پہلی رات تھی جس میں فریقین نے آرام کی نیند لی مگر ابھی رات کا دو تہائی حصّہ گذرا تھا کہ شور و غل کی آوازوں نے دونوں طرف کے لوگوں کو جگا دیا۔ حضرت علیؓ اپنے خیمے سے نکل کر باہر آئے اور معلوم کیا کہ یہ شور و غل کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا ہے۔ ادھر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اپنے اپنے خیموں سے نکل آئے تاکہ حقیقت حال معلوم کریں ان کی فوج کے لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا دونوں جانب غلط فہمی پیدا ہو گئی اور ہر ایک نے یہی سمجھا کہ دوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے۔ اس طرح صلح کی کوشش غارت ہو گئی۔ لوگ مشتعل ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایک

دوسرے کے مقابلے میں آ گئے۔

حضرت عائشہؓ کی تشریف آوری

حضرت کعبؓ ابن سور قرونِ اولیٰ میں بڑے بزرگ، صاحب علم و فضل اور بہت بڑے فقیہہ گزرے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ پھر جب حضرت علیؓ امیر المومنین ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت کعبؓ کو عہدۂ قضا پر برقرار رکھا جس طرح حضرت قعقاعؓ حضرت علیؓ کی طرف سے مصالحت کی کوشش میں مصروف تھے اسی طرح حضرت کعبؓ حضرت عائشہؓ کی طرف سے صلح کرانے میں پیش پیش تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ شروع ہو گئی ہے تو وہ افتاں و خیزاں حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے چلیں شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی یہ باہمی خونریزی بند کرا دے۔[1]

چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تشریف

[1] تاریخ طبری جلد دوم ص ۳۱۸۳

لائیں اور بآواز بلند لوگوں کو جنگ وجدل سے روکا۔ ادھر حضرت علیؓ گھوڑے
پر سوار ہو کر فوجوں کے درمیان آئے اور جنگ بند کرا دینے کی کوشش کی
لیکن رات کا وقت تھا۔ تلواریں نیاموں سے نکل چکی تھیں ہر طرف
شور وغل برپا تھا اور لوگ ایک دوسرے سے گتھ چکے تھے۔ ایسے
عالم میں کون کسی کی سن سنتا ہے۔ صبح ہوتے ہوتے سیکڑوں آدمی
کٹ کر ڈھیر ہو چکے تھے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ
اونٹ پر سوار قلب لشکر میں موجود ہیں تو دونوں طرف کے لوگوں نے
یہی سمجھا کہ جنگ ان کے ایما سے ہوئی ہے حالانکہ وہ اس لئے
تشریف لائی تھیں کہ جنگ بند کرا دیں۔

حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی جنگ سے کنارہ کشی

اثنائے جنگ میں ایک موقع ایسا آیا کہ حضرت زبیرؓ اور
حضرت علیؓ آمنے سامنے آ گئے۔ حضرت علیؓ نے انہیں مخاطب
کر کے کہا کہ اے زبیرؓ! میں تمہیں رسول اللہ کی ایک پیش گوئی
یاد دلاتا ہوں کیا تم بھول گئے کہ ایک روز حضورؐ نے تم سے پوچھا تھا
کہ اے زبیرؓ تم علیؓ سے محبت کرتے ہو تم نے اثبات میں
جواب دیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا

جب تم ان سے لڑو گے۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہاں حضورؐ کا یہ
ارشاد مجھے یاد آ گیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ بیٹے!
مجھے اس کام میں خیر نظر نہیں آتی اس لئے میں اس سے علیحدہ ہوتا
ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو مگر عبداللہ نے اپنے باپ کی بات نہ مانی
اور بدستور جنگ کرتے رہے لیکن حضرت زبیرؓ گھوڑا بڑھا کر میدان سے
نکل گئے۔ وادی السباع میں پہنچے تھے کہ ایک شخص نے جو ان کا
تعاقب کر رہا تھا دھوکہ سے حملہ کر کے شہید کر دیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ دوران جنگ میں حضرت زبیرؓ کی نظر
حضرت عمارؓ بن یاسرؓ پر پڑی جو حضرت علیؓ کی طرف سے بڑی
بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ
کی یہ حدیث یاد آ گئی۔

ویحک یا ابن سمیہ	اے سمیہ کے بیٹے
تقتلک الفئۃ الباغیہ	افسوس کہ تجھے باغیوں
	کا ایک گروہ قتل کرے گا۔

یہ حدیث یاد کر کے آپ لرز اٹھے کہ میں باغیوں کے گروہ میں

[1] مستدرک حاکم جلد سوم ص ۳۶۶

تو نہیں ہوں؟ اس خیال کے آتے ہی آپ نے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔[1]

حضرت زبیرؓ کو جاتا دیکھ کر حضرت طلحہؓ کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا اور وہ بھی میدان جنگ سے روانہ ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر مروان نے ایک تیر مارا۔ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا۔ آپ کو بصرہ کے ایک غیر آباد مکان میں پہنچایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں رسول اللہ کا یہ جاں نثار صحابی اس حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا کہ وہ امیرالمومنین کے مقابلے سے دست کش ہو چکا تھا اور اپنی غلطی سے رجوع کر چکا تھا۔[2]

صلح کیلئے حضرت علیؓ کی ایک اور کوشش

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جنگ بڑی شدت اختیار کر چکی ہے اور دونوں طرف کے لوگ بھوکے شیروں کی طرح ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں تو آپ نے اپنی فوج کے کچھ آدمیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ مجھے خون ریزی بند ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سوائے اس کے کہ ایک شخص دونوں فوجوں کے درمیان جائے اور

[1] الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص۹۴ ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مطبوعہ مصر) [2] چنانچہ ایک بہت بڑے مورخ کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت طلحہؓ کے پاس آیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کس جماعت سے تعلق رکھتے ہو اس نے جواب دیا کہ علیؓ کی جماعت سے۔ یہ سنکر حضرت طلحہؓ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا اور فرمایا کہ میں تمہارے ہاتھ کو علیؓ کا ہاتھ قرار دے کر دوبارہ ان کی بیعت کرتا ہوں۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۹۶)

قرآن اٹھا کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے۔ لیکن یہ کام بڑی جان جوکھوں کا ہے اور گمان غالب یہی ہے کہ ایسا شخص قتل ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ اس کے بعد آپ نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا کہ یہ قرآن لو اور دونوں فوجوں کے درمیان میں جا کر اعلان کرو کہ اے لوگو! یہ خدا کی کتاب ہے آؤ اس کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ یہ بہادر نوجوان حضرت علیؓ کے حکم کی تعمیل کی خاطر قرآن لے کر اس مقام پر گیا جہاں دونوں فوجیں گھمسان کی جنگ کر رہی تھیں اور لوگوں کو کتاب الٰہی کی طرف بلایا مگر اس دعوت کے جواب میں تیروں سے اس کی تواضع کی گئی اور وہ میدان جنگ ہی میں ڈھیر ہو گیا۔

لشکر عائشہؓ کی پہلی شکست

یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا اب کوئی مضائقہ نہیں جنگ پوری شدت سے شروع کر دو لیکن خیال رکھنا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے نہ زخمیوں کو قتل کیا جائے نہ کوئی کسی کے گھر میں گھسے اور نہ فریق مخالف کا سامان لوٹا جائے سوائے اسلحہ جنگ کے۔ اس کے بعد بڑی شدت سے جنگ شروع ہو گئی۔ تلواروں کی جھنکار، تیروں کی

سنسناہٹ، مرنے اور زخمی ہونے والوں کی چیخ پکار اور گھوڑوں کے
ہنہنانے سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ قیامت کا منظر تھا
لوگ قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر میدان جنگ میں
گلیوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ جنگ کی اس شدت سے حضرت عائشہؓ
گھبرا اٹھیں اور انہوں نے بصرہ کے قاضی کعبؓ ابن مسور کو حکم
دیا کہ تم قرآن اپنے گلے میں حمائل کر لو اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت
دو۔ حضرت کعبؓ نے ایسا ہی کیا مگر ان پر تیروں کی بارش شروع
ہو گئی اور چند ہی منٹ میں اسلام کا یہ بہت بڑا فقیہہ زخموں سے چور ہو کر
گر پڑا اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس طرح حضرت علیؓ
کے اہل لشکر نے اپنے اس نوجوان کا بدلہ لے لیا جو حضرت عائشہؓ کی
فوج کو قران کی دعوت دینے آیا تھا اور تیر باری سے شہید ہو گیا تھا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو فیصلہ کن حملہ کرنے کا
حکم دیا۔ یہ دوپہر کا واقعہ ہے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر
تاب نہ لا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا مگر وہ اونٹ جس پر حضرت
عائشہؓ سوار تھیں اپنی جگہ کھڑا رہا اور اس کے اردگرد چند سو سواروں
کی جمعیت ام المومنین کی حفاظت کے لئے بدستور موجود رہی۔ حضرت
علیؓ کے لشکر کا ایک دستہ اس طرف بھی بڑھا تا کہ اس جمعیت کو بھی منتشر

کر دے یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے سواروں کو حکم دیا کہ با آواز بلند قاتلین
عثمانؓ پر لعنت بھیجو اور خود بھی لعنت بھیجنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہ
شور و غل کیسا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ اور ان کا حفاظتی دستہ
قاتلینِ عثمانؓ پر لعنت بھیج رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے خدا قاتلینِ
عثمانؓ پر لعنت ہو

آخری معرکہ

شور و غل کی آوازیں سن کر اور یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ ابھی تک میدان
میں موجود ہیں اور ان کے اردگرد جاں نثاروں کا ایک دستہ بھی ان کی
حفاظت کر رہا ہے وہ لوگ بھی واپس آ گئے جو حضرت علیؓ کے حملے کی
تاب نہ لا کر میدان سے فرار ہو گئے تھے۔ اب دوبارہ بڑی گھمسان کی جنگ
شروع ہو گئی۔ راویوں کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے
بڑی ولولہ انگیز تقریریں کیں اور اپنی فوج کو جنگ کرنے پر خوب ابھارا
ان کی تقریروں سے لڑائی کا نقشہ بدل گیا اب جنگ کا سارا زور اس
اونٹ کے پاس صرف ہو رہا تھا جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں اور
جس کی حفاظت کے لئے ہزاروں آدمی سر بکف آگے بڑھ رہے تھے
اس مقابلے اور حضرت عائشہؓ کی حفاظت و حمایت میں جن قبائل نے

بڑی بے جگری سے حصہ لیا۔ ان میں بنو عدی، بنو ضبعہ، ازد
بکر بن وائل اور بنو ناجیہ پیش پیش تھے۔ جن کی بہادری کی
داستانیں عوام و خواص سب کی زبانوں پر تھیں اور اس میں شبہ نہیں کہ
انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے لیئے اس شدت سے جنگ
کی کہ تاریخ اس کی نظیر مشکل سے پیش کر سکے گی۔ جس طرف کو
حملہ کا زور ہوتا یہ ادھر دیوانہ وار دوڑ پڑتے اور ام المومنین کو بچانے
کے لیئے اپنی جانیں دیدیتے۔ ایک روایت کے مطابق صرف
بنو ضبعہ کے دو ہزار افراد اور ازد کے کم و بیش ڈھائی ہزار افراد
حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے اردگرد قتل ہو گئے۔ طبری نے
اپنی تاریخ کی چھٹی جلد میں اور ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی شہرۂ آفاق
کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں وہ رجزیہ اشعار نقل کیے ہیں
جو اس جنگ کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے جاں نثار قبائل پڑھ رہے تھے
ان میں سے چند اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

یا اُمنا یا خیر ام نعلم
اما ترین کم شجاع یکلم
وتختلے صامتہ والمعصم

اے ہماری ماں، اے ہماری
بہترین ماں جسے ہم جانتے ہیں کیا
آپ دیکھتی نہیں کہ کتنے شجاع
زخمی ہو رہے ہیں اور ان کے سر

اور ہاتھ جدا کر دیئے گئے ہیں۔

نحن بنو ضبعۃ لا نفر
حتی نرے جماجما تخر
یخر منھا العلق المحمر

ہم بنو ضبعہ ہیں ہم بھاگا نہیں
کرتے تاوقتیکہ سر کٹتے اور خون
بہتا نہ دیکھ لیں۔

یا امنا یا عیش لن تراعی
کل بنیک بطلِ شجاع

اے ہماری ماں آپ پریشان نہ
ہوں آپ کے سارے بیٹے
بہادر ہیں۔

یا امنا یا زوجۃ النبی
یا زوجۃ المبارک المھدی

اے ہماری ماں اے نبی کی حرمِ
پاک اور اس شوہر کی بیوی جو
صاحب برکت اور ہدایت یافتہ تھا۔

نحن بنو ضبعۃ اصحاب الجمل
ننازل القرآن اذ القرن نزل
الموت احلی عندنا من العسل

ہم بنو ضبعہ ہیں۔ ہم اونٹ کے
محافظ ہیں۔ ہم اپنے ہم مرتبہ
لوگوں سے جنگ کرتے ہیں جب

نحن بنو الموت اذا الموت نزل
نبتغی ابن عفان باطراف الاسل
ردوا علینا شیخنا ثم بجل

وہ ہمارے مقابل آجائیں ہم موت
کو شہد سے بھی زیادہ میٹھا سمجھتے ہیں
ہم نے موت کے نزول اور اس
کی آغوش میں پرورش پائی ہے
ہم ابن عفان (حضرت عثمانؓ)
کی شہادت کی تشہیر اپنے نیزوں
کی انیوں سے کرتے ہیں ہم اور کچھ
نہیں چاہتے بس ہمارا سردار
(حضرت عثمانؓ) ہمیں لوٹا دو۔

حضرت عائشہؓ کی شکست

غرض یہ لوگ ولولہ انگیز اشعار پڑھتے جاتے اور حضرت علیؓ کی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوتے جاتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس اونٹ کی مہار پکڑے کھڑے تھے جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں۔ جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تو جلدی سے ایک اور سرفروش نے آگے بڑھ کر مہار پکڑ لی جب وہ قتل ہو گیا تو دوسرا آ بڑھا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر افراد حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے

سامنے کٹ کر ڈھیر ہو گئے[1] ابھی تک لشکر کی قیادت حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہؒ کر رہے تھے۔ اب حضرت علیؓ خود گھوڑے پر سوار ہوئے اور فوج کو از سر نو مرتب کر کے پوری قوت سے حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا سخت تھا کہ حضرت عائشہؓ کی فوج اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ لشکر عائشہؓ ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح بھاگا کہ اس میں سے کسی فرد نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس افراتفری میں وہ اونٹ بھی زخمی ہو کر گر پڑا جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں۔ حضرت علیؓ کے طرفدار حضرت عمار بن یاسر اور محمد بن ابوبکرؓ نے دوڑ کر سنبھالا اور عماری الگ کر کے حضرت عائشہؓ کو بحفاظت نکال لیا۔ حضرت علیؓ بھی دوڑ کر آئے اور ام المومنینؓ کی خیریت پوچھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی مجھے معاف فرما دیجیے[2] حضرت علیؓ نے بڑی فراخ دلی سے معاف کر دیا اور حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ سے کہا کہ تم انہیں شہر لے جاؤ اور ان کے کسی طرفدار رئیس کے مکان میں ان کی رہائش کا انتظام کرو۔ چنانچہ محمد بن ابوبکرؓ نے بصرہ کے ایک رئیس عبداللہ بن خلف خزاعی کے مکان

[1] تاریخ طبری ص۳۱۸۶
[2] تاریخ ابن خلدون ص

میں ٹھہرایا۔

حضرت علیؓ کا مفتوحین سے سلوک

دوسرے روز حضرت علیؓ ام المومنین کا حال پوچھنے ان کی قیامگاہ پر تشریف لے گئے۔ آپؓ کو دیکھ کر صاحب خانہ کی عورتوں نے بڑا واویلا کیا اور آپ کی شان میں بعض نازیبا کلمات بھی کہے (اس مکان کے مالک عبداللہ بن خزاعی حضرت عائشہؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے اس جنگ میں مارے گئے تھے) مگر حضرت علیؓ نے ان کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ یہ دیکھ کر بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ زبان دراز عورتیں آپ کی شان میں گستاخی کر رہی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں اس لئے ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے لئے تو کافر عورتوں پر بھی ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ یہ تو پھر مسلمان عورتیں ہیں۔ جب آپ حضرت عائشہؓ کی خیریت معلوم کر کے باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ فاتح فوج کے بعض لوگ اور کچھ شرپسند عنصر حضرت عائشہؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ لوگ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں کوڑوں کی سزا دی[1]۔

[1] تاریخ ابن خلدون الجزا الثانی صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ مصر

جنگ سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ کے حکم سے دونوں لشکروں کے مقتول ایک جگہ جمع کئے گئے اور آپ نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس جنگ میں بے شمار لوگوں کے ہاتھ اور پیر کٹ گئے تھے جو سارے میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سب کو جمع کرایا اور ایک گڑھے میں دفن کرا دیا۔ اس کے بعد آپ نے عام معافی کا اعلان کیا اور میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے جن لوگوں کے جوتے، عمامے اور بعض دوسری اشیاء رہ گئی تھیں انہیں یک جا کر کے سارے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ چیزیں جن لوگوں کی ہیں وہ بلاخوف و خطر آ کر لے جائیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا چنانچہ لوگ آتے اور اپنی چیزیں لے جاتے۔ اس حسنِ سلوک کا لوگوں پر بڑا خوشگوار اثر ہوا اور وہ امیر المومنین کے مطیع و فرمانبردار بن گئے۔

اس واقعے کے تین روز کے بعد حضرت علیؓ بصرہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے۔ اہل بصرہ کے عمائد اور عوام حاضر خدمت ہوئے اور دوبارہ حضرت علیؓ کی بیعت کی۔ جن لوگوں نے آپ کی پہلی بیعت کے موقع پر توقف کیا تھا وہ بھی آئے اور بیعتِ عام میں شریک ہوئے اس کے بعد آپ بیت المال میں تشریف لے گئے اسے کھلوایا اور جو رقم نکلی اسے اپنے اہل لشکر اور اہل بصرہ دونوں میں برابر برابر

تقسیم کردیا۔ اس تقسیم سے حضرت علیؓ کے بعض لشکری دل برداشتہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ خون تو ہماری تلواریں ہوئیں جنگ ہمارے ذریعے سے جیتی اور مال کی تقسیم میں مفتوحین کو بھی شریک کر لیا گیا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس اعتراض کی کچھ پرواہ نہ کی۔

رجب ۳۶ھ میں حضرت عائشہؓ نے مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے لئے زادِ راہ اور سامانِ سفر کا انتظام کیا اور بصرہ کی چالیس معزز عورتوں اور حفاظتی دستے کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دیا۔ ایک منزل تک آپ خود بھی ساتھ ساتھ گئے۔ رخصت ہونے سے پہلے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے اور حضرت علیؓ کے درمیان کوئی عداوت نہیں تھی۔ یہ جنگ ہماری باہمی غلط فہمی سے وقوع پذیر ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کو خدا حافظ کہہ کر حضرت علیؓ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کو حکم دیا کہ کچھ دور تک تم ام المومنین کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ وہ ایک دن آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے پھر اجازت لے کر واپس آ گئے۔

ایک غلط روایت کی تردید

حضرت عائشہؓ کی شکست کے سلسلے میں بعض مورخین نے

ایک بے سر و پا روایت بیان کی ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے جاں نثار آپ کے اونٹ کے ارد گرد پروانہ وار فدا ہو رہے ہیں اور جنگ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تو آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ پیچھے سے جا کر اونٹ کی کونچیں کاٹ دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اونٹ کا گرنا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح جنگ بند ہو گئی۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے یہ روایت بالکل لغو اور گھڑی ہوئی ہے۔ اس روایت کے واضعین کے سامنے دو مقصد تھے ایک یہ کہ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کے لشکر کو جو ہزیمت ہوئی اس کا داغ دھو دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت عائشہؓ اور آپ کا لشکر کبھی میدان جنگ سے نہ ہٹتا یہ روایت وضع کر لی کہ حضرت علیؓ نے دھوکہ دے کر اونٹ کی کونچیں کٹوا دیں اس لئے لشکر منتشر ہو گیا۔ اس روایت کے واضعین کا دوسرا مقصد حضرت علیؓ کو مطعون کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ انہوں نے اپنی کامیابی کی خاطر حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر حملہ کروا کر ام المومنین کی ہتک کی اور یہ بھی نہ سوچا کہ اس افراتفری کے عالم میں حضرت عائشہؓ کی عماری گرنے سے ان کو شدید ضربات نہ آ جائیں یا عماری گھوڑوں کے سموں کے نیچے آ کر کچلی نہ جائے۔ ہمارے خیال میں یہ روایت انہیں لوگوں کی

مشہور کی ہوئی ہے جو ام المومنین کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور اپنی پیشانی سے بدنامی کے اس بدنما داغ کو چھپانے کے لئے اس قسم کے مضحکہ خیز قصے گھڑتے رہتے تھے۔

روایت کو پرکھنے کا ایک اصول

اس موقع پر کسی روایت کو پرکھنے اور اسے رد یا قبول کرنے کے بارے میں ہم ایک اصول پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ جب کسی واقعے کے متعلق ہمیں کوئی روایت ملے تو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کر لینی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس واقعے کے متعلق اس روایت کے علاوہ کوئی اور روایت بھی موجود ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اور روایت نہیں ہے تو پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ روایت جس شخص شخصیت سے منسوب کی گئی ہے اس کی عادات اور سیرت و کردار سے میل کھاتی ہے؟ اس شخصیت سے جس فعل کا صدور بیان کیا جاتا ہے کیا اس کی عام زندگی میں کبھی اس قسم کا فعل اس سے سرزد ہوا اور یہ فعل اس کے مرتبہ کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو پھر ہمیں اس روایت کو رد کر دینا چاہیئے۔ لیکن اگر اس واقعے کے متعلق کوئی اور روایت بھی موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم پہلی روایت پر اڑے رہیں جب کہ دوسری

روایت اس شخصیت کے کردار اور عام مزاج سے میل بھی کھاتی ہو تو ہمیں اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہیئے۔ اب ہم اس روایت کو کہ حضرت علیؓ نے اپنی کامیابی کی خاطر ام المومنین کے اونٹ کی کونچیں کٹوا دیں مندرجہ بالا اصول کے مطابق پرکھتے ہیں۔

جب ہم کتب سیر و تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں اس سلسلے میں تین روایتیں ملتی ہیں اور وہ تینوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پہلی روایت تو وہی ہے جو ہم نے سطور بالا میں پیش کی ہے اور اس روایت کو علامہ ابن خلدون اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جب ام المومنین کے لشکر والوں کا جوش و خروش کسی طرح کم نہ ہوا تو حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ ناقہ پر حملہ کر دو۔ یہ لوگ خود ہی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ ایک شخص آگے بڑھا اور ناقے پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا لشکر کامیاب ہو گیا اور حضرت عائشہؓ کے لشکر کو ہزیمت ہوئی[1]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھی حضرت قعقاعؓ نے قبیلہ بنو ضبہ کے ایک شخص کو بلا کر کہا کہ تم اپنے قبیلے کے کسی آدمی سے سازش کر کے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کو گرا دو[2]۔ چنانچہ

[1] [2] تاریخ ابن خلدون الجزالثانی صـ۱۶۲

وہ اونٹ کے قریب گیا اور اس کے پیر پر تلوار مار کر دوسرے پیر پر خود گر پڑا۔ اونٹ کے گرتے ہی حضرت عائشہؓ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس روایت میں سرے سے حضرت علیؓ کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قعقاعؓ نے خوں ریزی روکنے کے لئے از خود یہ اقدام کیا ہے۔

تیسری روایت جو ان دونوں سے مختلف ہے یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب امیر المومنینؓ نے دیکھا کہ جنگ کسی طرح بند نہیں ہوتی تو انہوں نے اپنی فوج کے ایک شخص سے کہا کہ تم قرآن لے کر میدان جنگ میں جاؤ اور لوگوں کو اس کے مطابق فیصلہ کی دعوت دو۔ اگر وہ قرآن کا فیصلہ تسلیم کر لیں گے تو ہم فوراً جنگ بند کر دیں گے لیکن اگر انہوں نے اس کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تو ہم ان سے فیصلہ کن جنگ کریں گے۔ وہ شخص قرآن مجید لے کر گیا اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی مگر حضرت عائشہؓ کے لشکر نے اس فیصلے کو قبول کرنے کی بجائے بڑی تیزی سے جنگ شروع کر دی عصر کے قریب حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شکست ہو گئی، اونٹ کا پیر کٹ گیا اور اس کے گرنے سے حضرت عائشہؓ کی عماری بھی گر پڑی۔ محمدؓ بن ابوبکرؓ نے دوڑ کر عماری کو سنبھالا اور اس پر ایک چادر سے پردہ کر دیا۔[1]

[1] تاریخ ابن خلدون الجزالثانی ص۱۶۵

یہ روایت فلسفۂ تاریخ کے امام علامہ ابن خلدون نے بیان کی ہے اور اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر کے شدید حملے کی تاب نہ لا کر حضرت عائشہؓ کا لشکر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اس وقت تک نہ اونٹ گرا تھا نہ عماری بلکہ یہ واقعہ بعد میں پیش آیا اور اندھا دھند شمشیر زنی میں ایک تلوار حضرت عائشہؓ کے ناقے کو بھی لگی جس سے اس کا پیر کٹ گیا اور وہ گر پڑا۔ اس روایت میں نہ حضرت علیؓ کے اس حکم کا ذکر ہے کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ دی جائیں اور نہ کسی دوسرے شخص کا ذکر ہے کہ اس کے ایما سے یہ اقدام کیا گیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اس قسم کی ایک روایت موجود ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ کی کونچیں کسی کے حکم سے نہیں کاٹی گئیں بلکہ جنگ کی شدت میں کسی شخص کی تلوار سے اس کی ٹانگ کٹ گئی تو کیوں اس روایت کو قبول نہ کیا جائے اور پہلی روایت کو کیوں نہ رد کر دیا جائے جب کہ پہلی روایت حضرت علیؓ کے کردار اور ان کے مزاج سے میل بھی تو نہیں کھاتی یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت علیؓ رسولؐ اور اہلبیتِ رسولؐ کا حد درجہ احترام کرتے تھے پھر وہ خود بھی اہلبیتِ رسولؐ میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے خروج کی خبر سننے کے وقت سے لے کر آخر جنگ تک مسلمانوں کو

خوں ریزی سے بچانے کی ہر ممکن سعی کی اور اپنے معتمد حضرت قعقاعؓ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج کر از خود مصالحت کی ابتدا کی۔ جب وہ عام مسلمانوں کی خوں ریزی برداشت نہیں کر سکتے تھے تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی کونچیں کٹوا کر ایسی صورتِ حال پیدا کر دیتے جو ام المومنین کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ کیا حضرت علیؓ یہ بات نہ جانتے تھے کہ اگر حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر حملہ کیا گیا تو وہ گھبرا کر میدان سے بھاگ نہ کھڑا ہو اور اس صورت میں کہیں اپنے سوار کو نیچے نہ گرا دے یا اونٹ کے گرنے سے جب فوج میں افراتفری پیدا ہو تو حضرت عائشہؓ کی عماری گھوڑوں کے سموں سے کچل نہ جائے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ جیسا شخص جو خوفِ خدا سے لرزہ براندام رہتا تھا کبھی ایسا اقدام نہ کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی سب سے چہیتی بیوی کو گزند پہنچتا۔

غور طلب نکتہ

پھر اس سلسلے میں ایک اور نکتہ بھی غور طلب ہے اور وہ یہ کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر اس لئے حملہ کیا گیا تھا تاکہ اس کے گرنے سے ان کے لشکر والوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور وہ میدان

سے بھاگ کھڑے ہوں۔ پھر اس خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جیسے ہی حضرت عائشہؓ کا اونٹ گرا آپ کا لشکر واقعی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ہمارے خیال میں اس روایت کے وضع کرنے والے نہ صرف جعل ساز تھے بلکہ ان کے سر مغز سے بھی خالی تھے۔ ان لوگوں نے اتنا نہ سوچا کہ ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کے لشکر نے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی طرف یورش کی تو آپ کے جاں نثار چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور پروانہ وار اپنی جانیں فدا کرنے لگے اور صرف ایک قبیلے کے ڈھائی ہزار افراد اونٹ کی حفاظت کرتے ہوئے کٹ مرے تاکہ حضرت علیؓ کے لشکر کا کوئی آدمی اونٹ تک نہ پہنچ سکے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ جوں ہی اونٹ گرا حضرت عائشہؓ کے لشکر کے لوگ بھاگ کر غائب ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر لشکر عائشہؓ نے اپنی ساری قوت اونٹ کے گرد جمع کر دی تھی اور وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں فدا کر رہے تھے تو جب اونٹ گرا ہے تو انہیں اور زیادہ جاں نثاری کا ثبوت دینا چاہیئے تھا کیونکہ اس امر کا بہت زیادہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اونٹ گر جانے کی وجہ سے حضرت علیؓ کے لشکر کے لوگ حضرت عائشہ کے پاس آسانی سے پہنچ جائیں گے اور انہیں گزند پہنچا لے

کی کوشش کریں گے۔ اگر واقعی وہ حضرت عائشہؓ کے جاں نثار تھے تو اس موقع پر انہیں اپنا حلقہ جو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے اردگرد قائم کر رکھا تھا اور زیادہ مضبوط کر دینا چاہیئے تھا کہ مبادا بد باطن لوگوں کو موقع مل جائے اور وہ ام المومنین کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک کریں۔ ہاں اگر خدانخواستہ حضرت عائشہؓ اس معرکے میں شہید ہو جاتیں تو ان کے جاں نثاروں کا بھاگ جانا کسی حد تک قرین عقل تھا بھی کہ وہ جس ہستی کی جان بچانے کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے تھے جب وہی نہ رہی تو وہ کس کے لئے لڑیں لیکن یہاں تو ایسا نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ بہ فضل خدا صحیح و سلامت موجود تھیں۔ اور اونٹ گر جانے کی وجہ سے انہیں پہلے سے زیادہ حفاظت کی ضرورت تھی۔

اس سلسلے میں دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے اردگرد اتنا مضبوط حصار قائم تھا کہ جو شخص اونٹ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا تھا وہیں کٹ کر ڈھیر ہو جاتا تھا اور آپ کے لشکر کے لوگوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا تھا تو حضرت علیؓ کے لشکر کا ایک شخص سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اونٹ تک کیسے پہنچ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کے تینوں

پہلوؤں پر غور کرنے سے صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ روایت بالکل فرضی اور جعلی ہے۔ روایت وہی درست ہے جو علامہ ابن خلدون کے حوالے سے صفحات گذشتہ میں ہم نے درج کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر حضرت علیؓ کے آخری حملے کی تاب نہ لا کر شکست کھا گیا اور اسی افراتفری میں حضرت علیؓ کے کسی سپاہی کی تلوار سے اونٹ زخمی ہو کر گر پڑا یعنی شکست پہلے ہو چکی تھی اور اونٹ بعد میں گرا۔ محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے دوڑ کر عماری کو سنبھالا اور حضرت عائشہؓ کو صحیح و سلامت باہر نکال لیا۔ البتہ یہاں پر ایک اعتراض ضرور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مندرجہ بالا تینوں روایتیں ایک ہی مورخ علامہ ابن خلدون نے پیش کی ہیں تو پھر کیوں ایک روایت کو مستند اور باقی دونوں کو غیر مستند قرار دیا جائے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ زمانہ قدیم کے تمام مورخوں کا یہ طریقہ تھا کہ کسی واقعے کے متعلق انہیں جتنی روایتیں ملتی تھیں وہ ان سب کو اپنی کتابوں میں درج کر دیتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہر واقعے کے سارے پہلو تاریخ میں محفوظ ہو جائیں۔ وہ لوگ اپنی دانست کے مطابق اسے اصول تاریخ نویسی اور دیانت کے خلاف سمجھتے تھے کہ کسی واقعے کے ایک پہلو کو تو پیش کر دیا جائے اور باقی پہلو چھپا لئے جائیں۔ اسی اصول کے مطابق انہوں نے ساری روایتیں اپنی کتابوں میں درج کر دیں



اور نتیجہ قارئین پر چھوڑ دیا۔ اب بعد کے مورخین کا فرض ہے کہ وہ ان روایتوں
کو نقد و جرح کے ذریعہ سے جانچیں اور جو روایت درست اور
واقعات کے عین مطابق ہو اسے قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی اصول کے
مطابق ہم نے بھی اونٹ کی کونچیں کٹوانے والے واقعے سے متعلق
تینوں روایتیں پیش کر دی ہیں اور اس روایت کو قبول کر لیا ہے جو
واقعات کے فریم میں فٹ بیٹھتی ہے۔ حضرت علیؓ کی سیرت و کردار
اور آپ کے طریقۂ جنگ سے مطابقت رکھتی ہے اور عقل انسانی بھی
جس کی تائید کرتی ہے۔